

# ہمارے مرتضیٰ کی شان

امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی امامت پر ایسی پر نور  
روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس سے قبل آج تک اردو زبان میں فضائل و مناقب مرتضوی  
کو احاطہ کرنے والی اس شان کی کوئی تالیف شیعی دنیا کی طرف سے شائع نہیں  
ہوئی حقائق و معارف کا ایک موج دریا ہے جو لہریں مار رہا ہے میخانہ  
خُم غدیر کے متوائے کہاں ہیں؟ اس آخری دور کے بھرپور جام کو اپنی شیریں  
لیوں سے ضرور مس کریں اگر قیامت تک نشہ اُتر جائے تو ہمارا ذمہ  
فوں کے لئے یہ شراب مقرر نہیں جو ایک چلتو میں بہا بہا جاتی ہیں۔

باہتمام سید صغیر حسن شمس  
زیدی الواسطی دہلوی

در مطبع اثنا عشری دہلی طبع شد

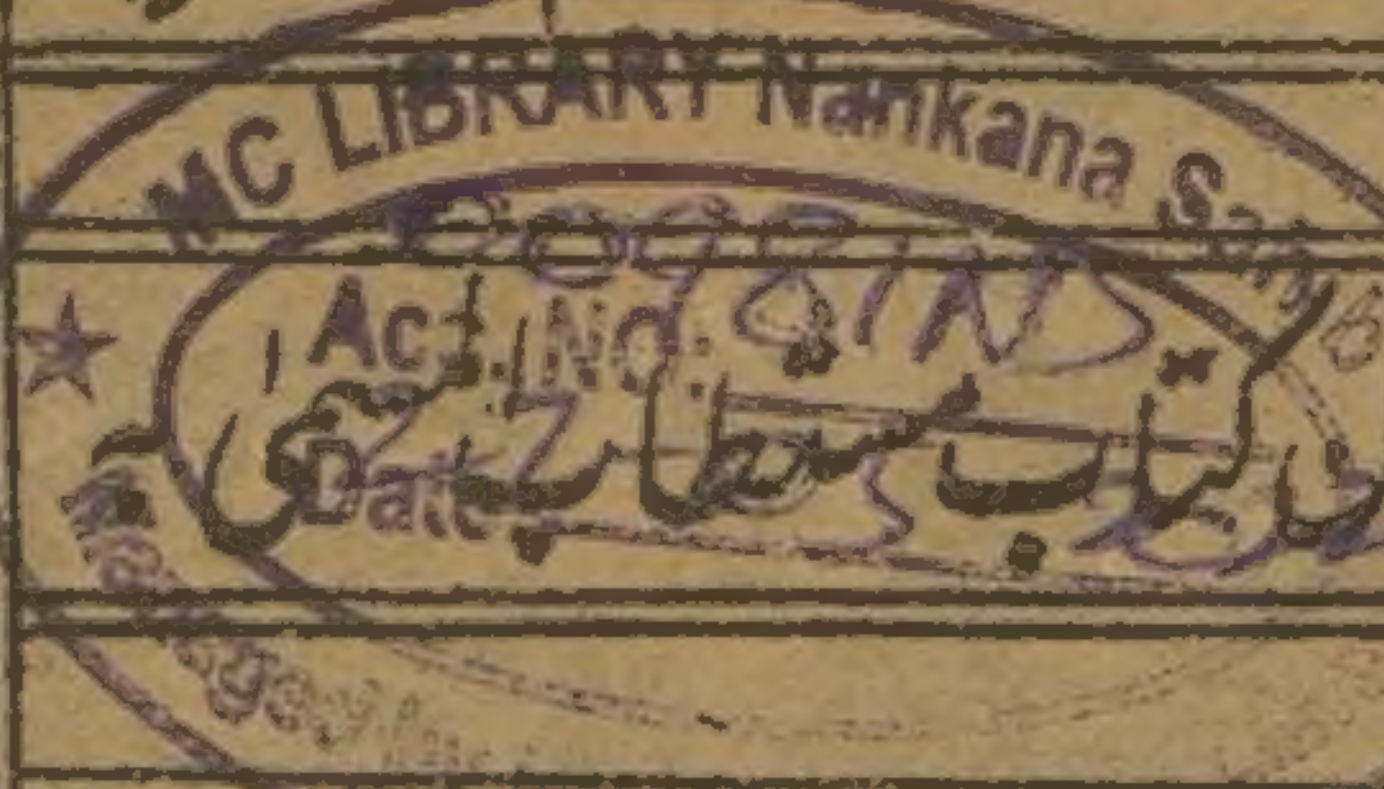


297-648

S129H



وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ



احمد شہزادہ دریں زمان اسن امانی کتاب سہیل پور



مصنفہ عالیجناب مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب تہرجم نچ البلاغہ

در مطبع اثنا عشری دہلی بزور الطباع مبین سند





بسم اللہ الرحمن الرحیم

ویراست کہ افسانہ منصور کہن شد  
من بار دیگر جلوہ دہم دار و رسن را  
میں نے کسی مضمون میں وعدہ کیا تھا کہ مذہب کے متعلق ایک بسوڑا تبصرہ لکھوں گا لیکن ایفائے  
وعدہ کے لئے میں خود پریشان ہوں اگر مثلاً طم سمندر کی موجوں کا احتساب میری قوتِ مدرکہ کے  
لئے آسان ہو جائے۔ آہ! حیف کہ ہو نہیں سکتا۔ تو پھر میں موعودہ خدمت کے لئے تیار ہو سکونگا  
ہاں مجھے ہرگز اسکا وعدہ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن رع و گو نہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را۔  
دیکھتا ہوں کہ حقائقِ مذہب پر حجاب ڈالے جا رہے ہیں۔ دیکھ رہا ہوں کہ بازارِ علم میں بازارِ گمان  
استبدادِ اندازِ خود نمائی کو سویدائے چشم بنا رہے ہیں۔ محسوس کر رہا ہوں اور اسی طرح محسوس  
کر رہا ہوں جس طرح روزِ روشن میں آفتاب کو کہ چہل علم نما و سادہ غور پر مشتمل ہے۔ آہ! معلوم ہو رہا  
ہے کہ نظریات و عملیات دونوں کے دونوں غارت اور بالکل غارت ہو چکے ہیں

جنس دیں را چہ کساد آمدہ عرفی در پیش  
کہ بجز مردہ ز حافظانہ خرد قرآں را  
آج صلوٰۃ اجارہ کے مسائل کی تبلیغ پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ آج مسائلِ شمس و شمس کے  
دفاتر اسفار ملا صدرا سے ہزاروں گنا حجم رکھتے ہیں۔ لیکن آج ہاں آج اگر پوچھو کہ کسی حایل تودہ  
اسناد و القاب نے کسی تشنہ روح کو چشمہ معرفت سے سیراب کیا؟ اسکا جواب صفر محض کی شکل  
میں تو البتہ مل سکتا ہے۔ ہندوستان ہو یا عراق۔ اس ابتلائے عمومی کے سبب شکارِ عراق!



آہ عراق! میں نے کس مقدس سرزمین کا نام لیا ع دل میں اک درواٹھا آنکھوں میں آنسو  
بھر آئے۔

یہ تو ایک وجدانی حالت تھی لیکن نظر تجسس جب اٹھتی ہے تو فوراً کہنا پڑتا ہے ع اے باد صبا  
ایں ہمہ آوردہ تست۔

سائے می پر سد "مولانا میں وحدت نورانیہ محمد و علیؑ کہ در احادیث آمدہ معنی شجاعت؟  
مولانا می فرماید کہ تو واجبات و مستحبات و ضوریاتی دانی؟ عرض کرو بلے بقدر ضرورت۔ ارشاد  
می شود مرد خدا تو کہ بر مسائل وضو احاطہ نداری ازیں چیزائے فضول پریدن تیرا می کشد  
برو فضولی مکن۔

اب کس کی مجال ہے کہ مولانا کی خدمت میں عرض کرے کہ جناب عالی خیر سے خود ہی اس کو چے  
سے نابلدہ ہیں۔ جب معدن علیہ کا یہ حال ہو تو واسطے بر حال ہند جو وہیں کے ریزوں کا چھنے والا  
اور اپنی کو کلاہ علیہ میں نصب کر کے طوفان مسرت میں غرقاب ہے۔

میں اس وقت اور مسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مسئلہ امامت کو لیتا ہوں اور دیکھتا ہوں  
کہ حکمت شیعہ کا یہ مایہ ناز گوہر آیا اپنی حقیقی آب پر باقی ہے یا خاکستان بے اعتنائی کے غبار سے اسکی  
رونق اور لمعانیت مٹ چکی۔ آہ! افسوس کہ مٹ چکی۔

جب ہم غور کرتے ہیں تو اس مسئلہ کی تباہی کی بنیاد تو اُسی تاریخ سے پڑی جب سے دنیا میں یہ  
غلط خیال پھیلا یا یوں کہو کہ پھیلا یا گیا کہ ولایت مطلقہ یا خلافت الہیہ یا امامت کلیہ کوئی مخصوص  
شے نہیں۔ اور نہ اس کے لئے کسی نص الہی کی ضرورت۔ چند اجاب زمانہ شناس کا جلسہ اس مسئلہ کو  
آسانی کے ساتھ اسی طرح طے کر سکتا ہے جیسے قومی درس گاہ کی خانہ ساز کمیٹی وار فنڈ میں روپیہ  
دینے کو۔ غرض اس کمیٹی بازی کی ابتدائی تاریخ مسئلہ انہدام کی پہلی بنیاد ہے۔ پھر اس بنیاد کو مستحکم  
کرنے کے لئے مختلف طریقے وضع کیے گئے۔ مثلاً کلمات موضوعہ کی اشاعت مبلغین کا تقرر وغیرہ وغیرہ  
لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ وہ زمانہ باوجودیکہ انتہائی شور و شغب کا زمانہ تھا لیکن ارباب حقائق آگاہ  
موجود تھے۔ گوانکی تعداد بہت قلیل تھی۔ مگر وہ اس قلت کو اپنے خون کے نقش و نگار سے استاد لہریہ  
بناتے تھے کہ قیامت تک دنیا کے قلوب انکی طرف جذب ہوتے رہیں گے۔



یہ جماعت فی الحقیقت فقہاء اور اہل دانش کی جماعت تھی اور یہ لقب انکو معصوم کی زبان سے ملتا تھا چنانچہ وہ مشہور خط جو حجت خدا برزخ کبرے - مخدوم ملائکہ منزل وحی و مورد الہام جلال روح اعظم خامس آل عبا روح العالمین لہ الفدا کی طرف سے حبیب ابن مظاہر کے نام جاتا ہے اُسکا عنوان ہی تو ہے ”من ابی عبد اللہ الحسین الی الرجال لفقہہ حبیب بن مظاہر“۔ ذرا خیال تو کرو اس فقیہ زمانہ نے روز عاشوراکس شان سے حقیقت فقہ کو آشکارا کیا۔

بہر طور ایسے لوگ موجود تھے۔ ان کے کچھ واقعات اب ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن کوئی ایسا ذریعہ بظاہر ہمارے پاس نہیں ہے جس سے ہم انکے حقائق علیہ پر کافی اطلاع حاصل کر سکیں۔ البتہ ان کے واقعات سے یہ نتیجہ قطعی نکالا جاسکتا ہے کہ وہ آشنائے حقیقت و حقانیت تھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُن کی روحانیت بلند روحانیت تھی۔ اسی روحانیت کا اثر تھا کہ خامس آل عبا نے ایسے بزرگوں کو ”یا کرام“ کے خطاب سے مخاطب کیا۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں تدوین علوم کا سلسلہ نہ تھا مگر آگے چل کر اسکی بنیاد پڑی۔ اس وقت جو جماعت سربراہانے حکومت تھی اُس کے خیالات وہی پچاتی خیالات تھے۔ اور انہی خیالات کی بدولت حکام وقت کو حکومت کی مسندوں پر قدم رکھنا نصیب ہوا تھا۔ پھر وہ کیونکر انکی مخالفت کر سکتے تھے۔ لہذا تدوین علوم کے وقت وہ تمام وضعی ذخائر اسفار و کتب کے لباس میں آنے لگے جن پر حکومتوں کی جانب سے بے انتہا روپیہ خرچ ہوا تھا۔

اس زمانے میں یہ تو ناممکن تھا کہ امامیہ گروہ اپنے عقائد کی باضابطہ تدوین کر سکے لیکن اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت حجت ناطق امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ کے زمانے میں کچھ اصول مدون ہو چکے تھے جن کی تعداد تین سو تیرہ تک بیان کیجاتی ہے لیکن آج اُن میں سے سوائے چند کے باقی سب دستبرد زمانہ کا شکار ہو چکے۔ موجودہ اصول جو بیان کیئے جاتے ہیں اُن سے فقہ رسمی کے مسائل کا استنباط ایک حزنناک ہو سکتا ہے لیکن معارف توحید و نبوت و امامت وغیرہ پر ان سے کچھ روشنی نہیں پڑتی۔

اس میں شک نہیں کہ آج ہمارے ہاتھ میں خطبات۔ احادیث۔ ادعیہ ایسی موجود ہیں جن سے



حقائق مذہب روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتے ہیں اور وہ ہمارے لیے کافی ہیں بشرطیکہ عقول فطریہ کا سلب کر نوالا نسخہ (اندھی تقلید جو اصول میں حرام ہے) استعمال نہ کیا جائے۔

**تقلید اور اس کی حقیقت۔** چونکہ آجکل تفسیر القول بجمالی رضی قائلہ کا مرض خاص طور پر دامگیر ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ کچھ مقلدین حضرات چین بچیں ہوں مگر ان کو واضح رہنا چاہیے کہ لکھنے والا حقیقت تقلید کو ان سے بہتر جانتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند لفظ اس مسئلہ کی نسبت اسی وقت لکھ دیے جائیں۔

تجدید اجتہاد و تقلید فی الحقیقت ایک فطری ضرورت ہے۔ یہ ایک حکمت کا دروازہ ہے جو صرف مذہب شیعہ میں کھولا گیا ہے۔ باقی فرق اسلام اس سے محروم ہیں۔ اور ان کے زمانہ شناس اہل علم حران پر سینہ کو بی میں تھوپیں۔ ایک مصری فاضل اپنی تاریخ ”اشہر مشاہیر الاسلام“ میں مسئلہ سد باب اجتہاد پر کافی نوٹ خوانی کر رہا ہے۔

لیکن یہ بھی تو سمجھ لو کہ آخر اس تجدید کی ضرورت کیا ہے۔ کیا صرف اسی لئے کہ وضو میں ایک بار سنہ پر پانی ڈالا جائے یا دو مرتبہ۔ وائے بر حال علم! اگر آج تک تیرہ سو برس کے زمانے میں افعال وضو بھی محقق نہ ہو سکے نہیں نہیں حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ علم کی شان ایسے وساوس بلند ہونی چاہیے۔ یہ چند بیکار وماغوں کی علمی غیاشیاں ہوتی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ انہی غیاشیوں میں ایک جماعت کثیر مبتلا ہے جن کا بہت بڑا مقصد جماعت بندی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اوضاع زمانہ متغیر ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔ مجتہد چونکہ معصوم مطلق نہیں ہے لہذا بعض مسائل مخصوصی میں (جن کی توضیح کی ضرورت نہیں) اس استنباط و ضائع حالیہ کا اثر لے ہوئے ہوگا (جیسا کہ سرکار میرزا نے مرحوم کا مشہور فتوے متعلق حرمت تنباکو) جو حال آج سے ایک صدی کے بعد ظاہر ہونیوالے ہیں ان کی بنا پر کوئی مجتہد آج حکم جاری نہیں کر سکتا۔ یہ صرف معصوم کا کام ہے۔ کیونکہ خدا نے اُسے اپنے غیب کا امین قرار دیا ہے (ملاحظہ ہوں احادیث مصحف فاطمہ سلام اللہ علیہا و جعفر ابیض و جعفر احمر وغیرہ) لیکن معصوم بھی باعتبار عقول اشخاص موجود ہیں اس وقت سکوت سے کام لے گا۔

غرض ایک توجہ مذکورہ کی بنا پر تجدید اجتہاد کی ضرورت ہے۔ دوسرے عناوین حفاظت مذہب



ہر زمانے میں مختلف ہونگے۔ انکا مقرر کرنا۔ سوچنا۔ ہر زمانے کے مذاق کے مطابق علم کلام کا  
 ذخیرہ فراہم کرنا جو سب کا سب احادیث و قرآن میں موجود ہے یہ خاص کام ہونگے عالم وقت  
 کے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن میں سے مسائل فقہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن  
 موجودہ دستور العمل اس کے برخلاف ہے۔ اس طرح جب تجدید اجتہاد ہر زمانے میں ضروری  
 ہے تو تقلید کی تجدید بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ کوئی زمانہ ہم ایسا فرض نہیں کر سکتے جس  
 میں مقلدین کی تعداد موجود نہ رہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کسی زمانے کا ہر شخص عالم علوم دینیہ  
 ہو سکتا ہے تو پھر بھی دوران اکتساب علم میں تو اس کو دریافت کرنے کی ضرورت ہوگی۔  
 یہ ہے مختصر حقیقت تقلید جس کا فروعی مسائل سے تعلق ہے۔ لیکن اشتیاق حکومت کی  
 بند پروازی نے ہر جگہ اسے دخل دیدیا۔

افسوس! میں اپنے مقصد سے کسی قدر دور ہٹ گیا۔ لیکن ان چند حقائق واقعہ کے اظہار  
 کی ضرورت تھی۔

ادم سر منزل۔ میں ابتداً کہہ چکا ہوں کہ شیعوں کے پاس تدوین علوم کا کوئی باقاعدہ  
 سلسلہ نہ تھا۔ اس کے برخلاف دوسرے گروہ میں اس سلسلے کی کڑیاں نہایت مضبوطی کے ساتھ  
 وابستہ ہو کر ایک عالم میں پھیل رہی تھیں۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اور جوق جوق مسلمان  
 اطراف مالک سے آکر مقامات مختصہ میں پہنچتے تھے اور اس طرح ان خیالات کی عالمگیر اشاعت  
 فضاے عالم کو لبریز کر رہی تھی۔ گویا یوں سمجھو کہ سواد اعظم کا مذہبی لٹریچر تمام دنیا پر قبضہ کر رہا تھا۔  
 خوب یاد رکھو کہ قومی ترقی میں لٹریچر کی اشاعت کو بہت بڑا دخل ہے۔ جس قوم کی تحریریں اور  
 تقریریں دنیا میں پھیل جائیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسانوں کے ہر طبقے کے خیالات پر  
 ان کا اثر پڑے اور پھر جب حکومت بھی ساتھ ہو اور حکومت بھی جبروتی و قہرمانی تو پھر خیال کیا جاتا  
 ہے کہ اس لٹریچر نے کہاں تک کامیابی حاصل نہ کی ہوگی خصوصاً عوام الناس میں جن کی تعداد  
 ہمیشہ کثیر ہوا کرتی ہے۔

پرمیبت یعنی کلمات و ضبیۃ کا انتشار اور اجماعی و قیاسی فقہ کی تبلیغ دونوں کام بوجہ تمام  
 انجام پارہے تھے۔ مفتی۔ قاضی۔ حاکم خطیب۔ مؤذن اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم



تھے۔ اسی اشار میں ایک اور طوفان اٹھا۔ یعنی فلسفہ یونان کا سیلاب دنیا کے اسلام میں لہریں  
 لینے لگا۔ جس نے اسلامی خیالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس انقلاب سے ایک جدید فرقہ  
 نکلا جسے معتزلہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے عقائد کی بنیاد اسی فلسفے پر رکھی اور اسی کے استلالی  
 میگزین سے اپنے مذہبی قلعوں کی حفاظت کرنے لگے۔

اُس زمانے میں شیعہ پارٹی کیا کر رہی تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ تقریباً خاموش تھی اور وہ  
 لوگ جو حقائق و معارف کی آگ سینوں میں رکھتے تھے دل ہی دل میں سلگتے تھے اور اُف نہ کر سکتے  
 تھے۔ اگر دلی بخار نہ چھین کرتا تھا تو رموز و اشارات میں اپنا مطلب ادا کر دیا کرتے تھے۔ رسائل  
 اخوان الصفا کا مشہور رسالہ مناظرہ حیوانات و انسان اپنے رنگ کا عجیب رسالہ ہے۔ اور  
 اداسناس بھی سمجھتے ہیں کہ لکھنے والے کا مطلب کیا ہے۔

غرض مذکورہ بالا لٹریچر یعنی فلسفہ اجماع و فلسفہ یونان کا نتیجہ یہ نکلا کہ خیالات عام طور پر مسموم  
 ہو گئے۔ حتیٰ کہ حقائق کی بلندیاں لپٹیوں سے بدل گئیں اور عقائد کی بنیاد سطحیات پر قائم  
 ہو گئی۔ مگر حضرات متصوفین نے لوگوں کو بلند کرنا چاہا لیکن وہ اس طرح بلند ہوئے کہ خود ہی گم ہو گئے  
 فلسفہ اشراقیہ یونان و مصر و ہند کی ترکیب سے ایک نئی معجون تیار ہوئی جس کا ذائقہ جس قدر  
 عجیب تھا اُسی قدر حقیقت اسلام کی چاشنی سے بعید بھی۔

اب زمانے نے پٹا کھایا اور شیعوں کو تدوین کی مہلت ملی۔ صاحبان قلم اُٹھے۔ ان کا پہلا  
 کام یہ ہوا کہ احادیث مصدقین علیہم السلام کے ذخائر جو سینوں میں دفن ہیں انہیں جمع کیا جائے  
 حقیقتہً ان بزرگواروں کا کام اس قدر عجیب و غریب تھا کہ جس میں مذہب شیعہ کی ہستی مضمر تھی۔ اور  
 یقیناً یہ ایک تائب دہی۔ ایک الہام تھا کہ انکی نظر انتخاب نے پہلے انہی جواہرات کو جانچا۔ اور جب  
 یہ جواہرات جمع ہو گئے تو ضرورت ہوئی کہ انکی صحت و سقم کے جانچنے کے لئے کوئی میزان مقرر ہو۔  
 اس کے لئے علم الرجال کی بنیاد پڑی۔ اب سواد اعظم کے لٹریچر نے جو ملک پر محیط تھا اپنا اثر دکھانا  
 شروع کیا۔

یہ تو اہل نظر جانتے ہیں کہ اس لٹریچر کا ایک بہت بڑا جزو یہ بھی تھا کہ جو لوگ انکے خیالات  
 کے مخالف ہیں انکی تصویریں نہایت بد نما رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی جائیں۔ کسی کو ملحد کہا جائے



کسی کو کافر۔ کسی کو زندیق پکارا جائے کسی کو منافق۔ چنانچہ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں خلفائے  
فاطمیین کے حالات درج نہ کرنے کی وجہ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لوگ بیدین تھے۔ کافر تھے بلکہ  
تھے۔ اس غریب ملا کی یہ تحریر کچھ مایہ تعجب نہیں ہوتی جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ سیاست نامہ استبداد  
کی داستان مذہبی لہجے میں دہرا دینا بساط حکومت اسلامیہ کی پہلی چال تھی۔

جو لوگ کہ بحیثیت حکومت ان کے مد مقابل تھے اُن کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال تو معمولی  
ہونا چاہیے۔ مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محض اختلاف خیال (دربارہ امامت) سند زندیقیت  
وغیرہ حاصل کرنے کے لئے بہت کافی تھا جیسا کہ ہشام ابن حکم۔ ہشام ابن سالم۔ مومن طاق۔ محمد ابن  
سنان وغیرہم کے حالات کا تفحص کرنے سے پایا جاتا ہے۔ یہ بزرگوار کوئی شک نہیں کہ اپنے زمانے  
میں حکمائے الہیین میں شمار تھے۔ ان لوگوں کے قلوب نے آفتاب صداقت کی شعاعوں کو  
براہ راست جذب کیا تھا۔ یہ حقائق و معارف کے حامل تھے۔ لیکن جس قدر اس وادی میں انکی  
منزل بلند تھی اسی قدر انکی قدرح سے اغیار کے لب آشنا تھے۔ ان کے قلم کی زبان انکی تفسیح میں  
کھلی ہوئی تھی اور انکی کتابیں انکی جرح سے مالا مال تھیں۔

واضح ہو کہ شیعوں کا دامن فن تاریخ سے بالکل خالی تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ تاریخی ذخائر ہوں  
اور وہ دنیا میں آنے سے پہلے کرخ کی آتشزدگیوں کی نذر ہو گئے ہوں۔ لیکن اب تو ہم یہی کہتے  
ہیں کہ شیعہ اہل علم بھی حالات گزشتگان معلوم کرنے کے لئے انہی تاریخوں کی طرف رجوع کرتے  
تھے جو اس وقت اغیار کی جانب سے اطراف و اکناف عالم میں شائع ہو چکی تھیں اور کسی شخص  
کے متعلق جو واقعات کہ عام طور سے مشہور ہو جاتے تھے یا مشہور کر دیے جاتے تھے انہی واقعات  
سے وہ بھی متاثر ہوتے تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ علم الرجال کی کتابیں بھی ان روایت  
حدیث کو مقدوح کر گئیں جنہیں اغیار کی جانب سے بد نما خطاب دیے جا چکے تھے۔ خصوصاً جو  
راوی کہ احادیث حقائق و اسرار کے بیان کرنے والے تھے وہ تو بالکل ہی مطرود بارگاہ فریقین  
قرار دیئے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون محقق مجلسی علیہ الرحمہ نے جلد چہارم ہم بجا الارواح میں قرار کیا  
ہے کہ جو راوی مقدوح و مجروح قرار دیئے گئے انکی خطا سوا اسکے کچھ نہیں کہ یہ احادیث فضائل و ایت  
کرتے تھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے سامنے کتاب مذکور موجود نہیں ورنہ اصل عبارت نقل کرتا



الغرض مخالفین کے مذہبی لٹریچر کا اثر شیخ تصانیف میں بھی نمودار ہوا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ بعض علماء کی پروکڑاشت آیا قابل مدح کہی جا سکتی یا قابل مذمت؟ یہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں یقیناً شق ثانی کو قبول نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک اضطرابی تسامح کہا جائیگا۔ میرا دل باور نہیں کرتا کہ ان بزرگواروں نے بدیہی سے ایسا کیا ہو۔ مگر ہاں سنو! انہوں نے کہیں یہ دعوے نہیں کیا کہ باب تحقیق ہم پر ختم ہو گیا۔ یا ہماری تحقیق کے خلاف کثرتاً کرنا کفر و الحاد میں شامل ہے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ تعطیل عقول کا ایک مجر العقول زمانہ آیا ہوا ہے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اندر اس آثار علیہ پر ماتم کرتے کرتے ہاتھ شل ہو جائیگے اور ارباب مذاق کی قوت سامعہ اس سے اگر متاثر ہوگی تو صرف اتنا کہ یا تو بخترانہ مسکراہٹ کا اظہار ہوگا یا جبین بے نیازی پر شکوہائے بوقلموں کے ناز و انداز قیامت ڈھائیں گے جنہیں حاشیہ نشینوں کا رعب شاہی سے پیدا ہونے والا سکوت اور بھی جلا دیگا۔

غلو اور طوفان غلو۔ ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں ایک اور مصیبت سے بھی ہم دوچار ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض کمزور عقل والے ائمہ کے متعلق الوہیت یا تفویض مطلق کے مدعی پیدا ہو گئے تھے۔ اس دعوے کی بنیاد یا تو قلت فہم پر تھی یا نفسانی خواہشات پر۔ کچھ بھی ہو۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نضارے میں بھی اپنے پیغمبر کے متعلق یہ خیالات موجود تھے۔ یہودی میں بھی۔ ہنود میں بھی۔ اور آج بھی موجود ہیں۔ جبکہ زمانہ تعلیمی میدان میں بہت ترقی کر رہا ہے۔ نضارے علی الاعلان الوہیت مسیح کا دغظ کہتے پھرتے ہیں۔ یہود کا فلسفہ الوہیت عزیر بھی موجود ہے۔ اور ہنود بھی اپنے پیشواؤں کو اوتار کہہ رہے ہیں۔ یعنی ذات لاہوتی نے لباس ناسوتی پہن کر مخلوق کو جلوہ دکھایا۔ تصوف کی آخری حد بھی یہیں تک پہنچ جاتی ہے۔ پس اگر اس زمانے میں ایسے ہی خیالات کے لوگوں سے میل جول کی بنا پر ائمہ کی نسبت الوہیت کا اعتقاد قائم کر لیا گیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ارباب بصیرت تو اس سے ایک بہتر عقیدہ اخذ کر لیتے ہیں۔

کفی فی فضل مولانا علیؒ وقوع الشک فیہ اللہ

پہلی مصیبت کوئی تازہ مصیبت نہ تھی مگر آگے چل کر اس مصیبت نے مصیبت عظمیٰ کا لباس پہن لیا۔



جو لوگ کہ فرقہاوی باطلہ کے حالات پر تدبر اور تعمق کی نظر ڈال چکے ہیں انکو معلوم ہو گا کہ ایسے فرقوں کا عام اصول یہ ہے کہ وہ انہی واقعات کو لیکر جو ساری قوم میں مشہور ہوتے ہیں ان سے غلط نتائج استنباط کر لیا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ ”علیؑ نے مردہ جلا دیا“ واقعہ کی صحت میں ہمیں عقلاً کوئی کلام نہیں اور منطقی حیثیت سے بھی اس سے انکار قطعی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ عروسہ کے جلانا خدا ہی کا کام ہے لہذا علیؑ خدا سے یقیناً غلط ہو۔ یہ ایک نتیجہ ہے جو فرقہاوی باطلہ کے حالات پر غور کرنے سے ہمیں دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن قیامت ایک اور ہوئی کہ لوگوں نے واقعہ اور نتیجہ کو بالکل ایک ہی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا۔ یعنی وہ واقعہ جس سے کسی نے غلط نتیجہ استنباط کیا محض اس جرم پر غلط مان لیا گیا کہ اس سے غلط نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب منطقی ہے جسے منطق انطیر کہنا ناموزوں ہو گا جس کی بنا محض ”طیران“ پر ہے۔ وہی طیرہ جسکی بنا پر انا طیر نہ کہہ کر انبیاء پر حملے کیے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ اگر کسی شخص نے کہیں وہی واقعہ پاس کے مثل بیان کیا تو فوراً مدعیان فضیلت کی بارگاہ سے اس کے لئے بلا خوف تردید ”غالی“ اور مفوض کے خطابات شائع کر دیئے گئے۔ ”انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال“۔ یہ ارشاد اس وقت بہت جلد یاد آتا ہے جب خود بدولت پر کوئی حادثہ طاری ہو۔ دوسرے کی نسبت قلم اٹھا کر اس ارشاد کو مد نظر رکھنا شانِ علم و بے نیازی سے بعید سمجھا گیا ہے۔

حالات سابقہ سے بہت آسانی کے ساتھ پتہ چل سکتا ہے کہ حقائق و معارف بیان کرنیوالے اکثر غالی۔ مفوض اور صوفی قرار دئے گئے ہیں۔ بڑے بڑے اساطین مذہب پر یہ وار پڑ چکے ہیں۔ جیسے کہ شیخ بہار الدین آملی و قاضی نور اللہ شوشتری وغیرہما۔ حالانکہ غلو کے متعلق نص قرآنی بہت صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ اُسی کی تشریح قول معصوم میں بیان کر دی گئی ہے نزلونا عن الربوبیۃ وقولوا فینا ما شئتم فانکم لن تبلغوا کنہ ما فینا۔ ہمیں درجہ الوہیت (مطلقہ) سے الگ کر کے جو چاہو ہماری نسبت کہو کیونکہ تم اُس شے کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتے جو ہم میں موجود ہے۔

لطیفہ۔ ایک ملا کے سامنے یہ حدیث بیان ہوئی۔ بہت ہی منقص ہو کر فرمانے لگے ہم کیا کہیں۔



انہیں چاند کہیں۔ ستارہ کہیں۔ آسمان کہیں۔ افسوس اس غریب کو اتنی بھی خبر نہیں کہ انہیں  
چاند بھی کہا گیا ہے۔ ستارہ بھی۔ آسمان بھی۔ بلکہ غرض بھی یہی ہیں اور کرسی بھی یہی۔  
اب اس بچارے کو سوال کرنا پڑ گیا کہ جب سب کچھ یہی ہیں تو پھر ہم کیا ہیں؟ اب اسکا  
جواب کیا دیا جائے؟

خیر یہ بلیات تو تھیں ہی کہ ایک اور چیز سے اہل علم کو سابقہ پڑ یعنی اصول فقہ اور فقہ کی  
تدوین عمل میں آئی۔ ضروری ہونے میں اس کے بھی کلام نہیں لیکن جو تو غل و انہماک اس چیز  
کی طرف انہائے زمانہ کا ہوا وہ حیرت انگیز ہے۔ اس کے مقابلہ میں تمام حقان و معارف گرد  
ہو گئے۔ بلکہ شدت احتیاط سے وسواس بڑھ کر درد ہو گئے۔ اور آج تک یہی رنگ چلا آ رہا ہے  
بلکہ روز افزوں تر ہے۔ یہ کیا راز ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ راز تو اصل میں بہت کھلا ہوا  
ہے۔ حضرت ابو حنیفہ نے اپنے لئے کل علوم میں علم فقہ پسند کیا تھا اور اسکی علت بھی بیان کر دی  
تھی جسے صاحبان نظر جانتے ہیں۔ کیا یہ وہی راز تو نہیں ہے؟ اگر جی ہنسی ہو اے بڑا وگفتاری  
اس میں شک نہیں کہ مرجعیت عوام جیسی کہ یہ علم بڑھکر عامل ہوتی ہے دوسرے علم میں  
ہرگز نہیں۔ ماقولکم مدظلکم العالی مستفسرین کا یہ فقرہ کچھ عجیب و غریب اثر رکھتا ہے۔  
افساد نفس کا اس سے بہتر نسخہ کوئی نظر نہیں آتا۔ شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے ایک موقعہ  
پر تصویر کھینچی ہے۔

وبین یدایت قوم ای قوم  
ولکن فوق اظہر ہم ثیاب  
وان حدیثت بالامرا لبحال  
سوی سمعاً لہوکانا وطاعة

ہر ادک ان تری فی کل یوم  
کلاب عاویات بل ذئاب  
اذا ما قلت اصغو للمقال  
قلیس لہم جمیعاً من بضاعة

(ترجمہ) تیرا انتہائی مقصد یہ ہے کہ ہر روز تیرے گرد اس قسم کے لوگ جمع ہوں جنکی خصلتیں  
تو غوغو کرنے والے کتوں بلکہ بھیروں کی سی ہوں لیکن انکی پشت عباؤں سے آراستہ ہو۔  
وہ تیرے ہر قول کو توجہ سے سنیں اگرچہ وہ اہر محال ہی کیوں نہ ہو۔ ان میں کوئی شخص صاحب بصیرت علم  
نہو سوائے اسکے کہ وہ مولانا کے سامنے ہر قول پر سمعاً و طاعتاً کہا کرے۔



انصاف سے دیکھو۔ ہماری فقہی درسگاہوں میں خصوصاً اس مقام میں جہاں اس قسم کے مقتدرین کا اجتماع کامل ہے۔ یہی رنگ نظر آتا ہے یا نہیں۔ بھلا ایسے لوگوں سے ہمیں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ حقائق و معارف کی دعوت سے تشنہ کا مان علوم حقیقی کو سیراب کرینگے۔ ان کا مطلب بحالت موجودہ اچھی طرح سے حاصل ہے پھر دوسری سے کیا حاصل ان کے لئے بہت کافی ہے یہ امر کہ ان کے خیال میں انکی تعظیم و تکریم منجانب اللہ فرض قرار دینی ہے۔ اس کے خلاف کر کے دیکھ لو کیا ضرر آتا ہے۔

مگر کسے تعظیم مولانا نہ کر دے مولوی تکفیر سب کا نہ کر دے (بہائی راز)

صرفے و کبرے بہت آسانی کے ساتھ مرتب کر لیا جاتا ہے۔ ”ہم نائب امام ہیں اور امام کی اہانت کفر ہے۔ فلہذا ہماری اہانت بھی کفر ہے۔ اس لئے کہ یہ تو اصول بارہمیت میں سے ہے کہ نائب کی اہانت منیب کی اہانت تک منجر ہوتی ہے۔ اب بیچارہ مد مقابل سوائے سمع و طاعت کیا کہے اور کہے تو کس سے کہے قلوب ہم غفلت و اذ انہم فختوم۔ ارباب بصیرت کو غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ کسی کی نسبت بے دھڑک فتوے دینے والے ایسے ہی فقہا ہوتے ہیں کسی کو غالی کسی کو مفتون کسی کو باپی کسی کو شیخی کسی کو کافر کسی کو فحی کہہ دینا ان کے شعار اولیہ میں سے ہے۔ رسول کی بخت اس لئے ہوئی تھی کہ لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کریں۔ مگر یہ بزرگوار منجانب اللہ اسی لئے مبعوث ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اسلام سے خارج کر دیتے رہیں۔ اگرچہ اس کو شمش میں خود بھی اس دائرے سے نکل جائیں۔

میں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ سب کے سب ایسے ہی ہیں۔ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ ارباب حقیقت بھی موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ انکی تعداد بالکل قلیل ہے۔ وہ غریب گوشہ نشین ہیں خلوت گزین ہیں۔ فاقہ کش ہیں۔ دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں۔ ان کے پاس قیمتی حقائق ہیں نہ رزق برقی حملے عجیب ہیں کہ کلام معلوم میں ایسی کی طرف اشارہ ہو قال امیر المؤمنین علیہ السلام تشدنا التباذ لون فوج یقتنا ہمارے شیعہ ہارنی طاقت کو آتش میں باہمی تباہی و کام لینے والے ہیں المتحابون فی وکالتنا ہماری لائیت میں ایک دوسرے سے محبت کر پوالے ہیں المتوازدون فی امرنا ہمارے امر میں ایک دوسرے کا بار اٹھانے والے ہیں۔ الذین ان غضبوا لہم یظلموا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کسی پر غضبناک



ہوئے جب بھی ظلم سے کام نہیں لیا۔ وان رضوا لیسرفوا۔ اور اگر راضی ہوئے تو مسرف نہیں  
 بنے۔ بركة علی من جاودہ۔ جس کے ہمسائے بنے اُسکے لئے برکت ہیں وسلم لمن خالطوہ  
 جس نے میل جول پڑھایا اُسکے لئے سلامتی بن گئے۔ اولئک هم السائحون الذابلون۔  
 یہ وہ لوگ ہیں کہ سیاحتِ حقیقی نے جنہیں گھلا دیا ہے۔ ذابلۃ شفاہم خمسۃ بطونم  
 ان کے ہونٹ خشک ہیں شکم ان کے خالی ہیں مغبرۃ الوافہم مصفرۃ وجوہہم اسکے  
 رنگ خاکستری ہیں۔ ان کے چہرے زرد ہیں کثیر بکاء ہم جاریۃ و موعہم۔ ان کا رونا  
 کثیر ہے۔ ان کے آنسو جاری ہیں۔ یفرح الناس و یحزنون تمام لوگ مسرور ہیں اور یہ محزون  
 وینام الناس و یسہرون لوگ سوتے ہیں اور یہ بیدار ہیں قلوبہم غنا ونہ و شرودہم  
 مامونۃ ان کے دل محزون ہیں۔ انکی شرارتوں سے لوگ مامون و محفوظ ہیں۔ و افہم  
 عقیقۃ و حوائجہم خفیۃ۔ ان کے نفوس صاحبِ عفت ہیں اور انکی دنیوی حاجتیں بالکل  
 تھوڑی ہیں۔ ذبل الشفاۃ من العطش فہم البطون من الجوع ان کے ہونٹ پیاس کے  
 سبب سے سوکھ گئے ہیں۔ ان کے شکم بھوک کے سبب سے پخت سے لگے ہوئے ہیں و صائم اللہ  
 ہیں (عیش العیون من الشہر۔ بیداری کے سبب سے انکی آنکھیں جواب دیتی جا رہی ہیں  
 الرہبانۃ عنہم کثرت۔ رہبانیت (اتقا) ان سے روشن ہے۔ والحشیۃ لہم لازمۃ۔  
 خوف ان کے لئے لازمی ہے۔ کلما ذهب منہم سلف منعت فی موضعہم خلف۔  
 جب کوئی شخص ان میں سے انتقال کرتا ہے تو اسکا خلف صحیح اسکا قائم مقام ہوتا ہے اولئک  
 الذین یردون یوم القیمۃ و وجوہہم کالقمر نیمۃ البدر یعطیہم اکوون و الاخرون  
 کخون علیہم لائم محزون۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ حبیبِ روز قیامت وارو ہونگے تو ان کے چہرے  
 پتھر کی طرح روشن ہونگے۔ اولین و آخرین ان پر عجب کرپے گئے۔ نہ انہیں  
 کوئی خوف ہوگا اور نہ یہ محزون ہونگے۔

یہ ایک معیار ہے جو امیر المؤمنین نے اپنے شیعیانِ خاص کے لئے مقرر فرمایا ہے اور ضرور  
 ہے کہ اس معیار پر پورے اُترنے والے لوگ بھی موجود ہونگے جیسا کہ ارشادِ کلما ذهب منہم  
 سلف الخ سے ظاہر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ ایسے لوگ جو فی الحقیقت



عالم کھلائے کے مستحق ہیں کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ دو کاٹھاروں کو اس سے کوئی تعلق نہیں  
 انہیں اگر تاسی اللہ کی ضرورت ہو تو صرف متعہ و نکاح میں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔  
 غرض اس میں شک نہیں کہ فقہ و اصول فقہ میں انہماک کی بدولت یہ لوگ حقائق و  
 معارف سے بہت دور جا پڑے اور انکی مہربانیوں کا اثر عوام پر لازمی ہونا چاہیے تھا۔ اذنا  
 فسد العالم فسد العالم ان لوگوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا کہ وہ ہر چیز کو اپنے اصول موضوعہ  
 کی رو سے جانتے ہیں۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

ہاں ہاں! ان لوگوں کو ضرور دوسری رہنا چاہیے تھا جن کی عمر تیز دعاء مخصوصہ میں گزری  
 ہو ان کو مقامات نورانیہ صا حبانِ طہیر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

عذر بار۔ بعض مرتبہ ان الزلات کے جواب میں یہ کلمات مسموع ہوئے ہیں کہ عقائد عوام کی  
 حفاظت لازمی ہے۔ عوام ان نکات و اسرار کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ بالکل صحیح ہے  
 کہ ہر شخص میں ان چیزوں کے سمجھنے کی قابلیت نہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو آج عوام  
 کہا جا رہا ہے ان میں خصوصیت کا پیدائہ ہونا در آنکا ایک وہ اپنے مقلد کو مطلع مقلد سمجھتے  
 ہیں (خصوصاً معاملات دنیویہ میں) اسکا باعث کیا ہے۔ کیا انکو ہمیشہ عوام ہی میں شامل کیا جائیگا  
 بیشک فائدہ ظاہر ہی تو اسی میں ہے۔

لیکن فی الحقیقت یہ عذر بدتر از گناہ سے زیادہ وقت نہیں رکھتا تجربہ بتاتا ہے کہ  
 مدعیانِ فضیلت کے نزدیک خود ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ورنہ اسے کیا معنی کہ  
 جب کوئی دوسرا انکشافِ حقیقت پر آمادہ ہو تو فوراً اُسکے مقابلے کے لئے آستینیں چڑھالی  
 جائیں۔ اور معصومین کے ارشادات صریح کی تکذیب پر کمر باندھ لی جائے۔ عوام بیچاروں کا فی الحقیقت  
 کوئی قصور نہیں وہ اپنی فطرتِ صحیحہ پر باقی ہیں۔ ان کے سامنے اگر فضائل و معارف بیان کیے جائیں  
 تو انکی سستروں کا کوئی اندازہ نہیں رہتا۔ باوجود اس کے وہی لوگ جو صا حبانِ فضل سمجھے جاتے  
 ہیں تیوریاں بدلتے اور دانت پیستے نظر آئیں گے۔ خدا جانے اگر کسی آیت یا کسی حدیث سے اللہ  
 کی فضیلت ثابت کی جائے تو انہیں کیوں صدمہ ہوتا ہے۔ ان کے قلب پر کیوں چھریاں چل جاتی  
 ہیں۔ جتنے کہ حیدر آباد میں آجکل یہ رنگ ہے اور ایک خاص پارٹی اس مذاق کی پیدا گوئی ہے



کہ مجلس میں ان کے سامنے فضائل اہلبیت بیان کر دو ہرگز ضبط نہ کر سکیں گے بلکہ مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں گے۔ ان میں بعض افراد ایسے بھی ہیں جو منطقۃ البروج بر سر و سارہ ذوات الفروج در پر کے حکم میں ہیں۔ لیکن تبسم شرعی کہہ سکتا ہوں کہ انکی واقفیت تحفۃ العوام سے آگے نہیں بڑھی، اور وہ اردو کی چار سطریں بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ ہاں یہ کہنے کو موجود ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

ادھر تو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ فریاد تو نہیں ہے۔ بلکہ پہلے بھی صاحبان نظر اس درد سے متاثر ہو کر فریادیں بلند کر چکے ہیں جنہیں نہایت حقارت کے ساتھ انہائے زمانہ نے رو کیا ہے بلکہ انڈیا نہیں ہی الزام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک عالم اپنے فرقے کا ابتدائی مکرر آمد بیان کرتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں۔ وبعد انقضاء هذه المدّة يرجعون الى اصول المأخوذة عنهم المشتقة على كثر ما يحتاج اليه الناس حتى لا تشد مسئلة لا يكون فيها حكم جزئي او كلي عنهم عليهم السلام وفق له من وفق وهو المريد فيه نفس اولم يبلغ اليهم كانوا يتوقفون فيه لقول الصادق عليه السلام اما انه شرع عليكم ان تقولوا بشي ما لم تسمعوه منا وما اختلف فيه الاخبار كانوا يرجعون فيه الى القانون المنقول عنهم وما كانوا ليستنبطوا احكام من المتشابهات بالاراء والظنون على القوانين التي وضعتها العامة وكان هذا راجع الى ان طال عليهم الامد واختلط احد ائمتهم باهل الضلال ووقع الاشتباه في ما حذر احكامهم وتكلموا فيما سكت الله ورسوله عنه وخاضوا في المسائل التي اغنام الله فقالوا بالزواي وما لا يجوز عليه الاعتماد وتركوا طريقة مشائخهم المتقدمين اعني الاقتصاد على السماع المجرد من اهل العصمة سلام الله عليهم في الاصول والفروع جميعا ووقعوا فيما شتوا به العامة بعينه من التشريع والاختلاف۔

زمانہ ائمہ علیہم السلام میں تو جو شیعوں کا عملہ آمد تھا وہ ظاہر ہے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد شیعہ اپنی اصول کی طرف رجوع ہوتے تھے جو ائمہ علیہم السلام سے ماخوذ تھے۔ جو اکثر ضروریات انسانی پر شامل تھے حتیٰ کہ کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں انکا حکم جزئی یا کلی موجود نہ ہو۔ ہاں صاحب توفیق ہی کو اسکی توفیق ہوتی تھی۔ اور جس بارے میں کوئی اصول ارد



نہیں ہوتی تھی یا ان تک نہ پہنچتی تھی تو اس وقت توقف سے کام لیتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے یہ نہایت ہی بدترام ہے کہ ایسی بات منہ سے نکالو جسے تم نے ہم سے نہ سنا ہو۔ اور جس چیز میں اخبار مختلف ہوتے تھے تو اس حالت میں اسی قانون کی طرف رجوع کرتے تھے جو ائمہ علیہم السلام سے منقول ہے۔ اور ہرگز تشابہات میں اپنی رائے اور ظن کو دخل دیکر ان قوانین پر بنا کر کے جنہیں عامہ نے وضع کیا ہے تنبیہ احکام نہ کرتے تھے۔ اس حالت پر کچھ مدیں گزریں آخر کار نئی نسلاں نے اہل ضلالت کے ساتھ میل جول کر لیا۔ مابعد احکام میں شبہ واقع ہو گیا۔ خدا و رسول نے جہاں سکوت کیا وہاں انہوں نے کلام کرنا شروع کیا۔ جن مسائل سے خدا و رسول نے انہیں بے نیاز کر دیا تھا ان میں اپنی رائے کے ساتھ اور ایسے طریقے سے خوض کرنا شروع کیا جس پر ہرگز اعتماد جائز نہیں ہے۔ اپنے مشائخ متقدمین کا طریقہ چھوڑ دیا اور وہ طریقہ بھی تھا کہ وہ تمام اصول و فروع میں صاحبان عصمت و طہارت سلام اللہ علیہم کے ارشادات پر اقتصار کرتے تھے۔ اب یہ لوگ وہی بلائے تشریع و اختلاف میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے عامہ پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔

اس عبارت سے صاحبان فکر جو نتیجہ نکالیں نکالیں۔ مجھے تو یہ دکھانا ہے کہ مخالفین کا لٹریچر ہم میں کافی سرایت کر گیا۔ تاریخ کی حالت وہ فقہ کی حالت یہ۔ ایسی حالت میں ہمارے خون کے ذرات جراثیم و بائیہ سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب ہم ہندوستان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو ایک اور بلا کا سامنا نظر آتا ہے۔ اس سرزمین میں جلیں شہب نے آنکھ کھولی تو اسے چاروں طرف مخالفین کا اجتماع نظر آیا جس سے باب مناظرہ کا افتتاح ہوا۔ اور نہایت شد و مد کے ساتھ ہوا۔ اہل علم کو تہذیب و عقائد حقہ کی مہلت اور اس پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ ملی تھی کہ مخالفین کے مقابلے میں قلم اٹھانا پڑا۔ فہم مشکور و اجرہ علی اللہ۔

مناظرہ کا قاعدہ یہ رکھا گیا ہے کہ خصم کو اس کے مسلمات اور اس کی کتابوں سے جواب دیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ علمائے شیعہ نے اختیار کیا اور اس طرح وہ بیشمار کتابیں حجت و شیعہ



میں لکھی گئیں۔ ان میں بکثرت مخالفین کا لٹریچر کتب شیعہ میں نقل ہو گیا اور اب اس طرح گھسٹل گیا جسکا تجزیہ مشکل نظر آتا ہے۔

واضح ہو کہ ائمہ علیہم السلام کے فضائل و مناقب جو کتب اغیار سے نقل کئے جاتے ہیں ممکن ہے کہ وہ مقولہ مشہور والفصل ما شهدت به اعداء کو مد نظر رکھتے ہوئے سر و چشم پر جگہ پانے کے مستحق ہوں۔ لیکن اگر غور سے ہم دیکھیں گے تو ہم اپنے عقائد کی بنیادیں ان پر قائم نہیں کر سکیں گے البتہ وہ اپنی کی تسکین کا ذریعہ بن سکیں گے جن کے مرویات سے لئے گئے ہیں۔ لیکن غلطی اسی مقام پر ہوئی کہ منقولات اغیار کو اپنے عقائد میں داخل کر لیا گیا جسے ہم حقیقت سے بہت دور اٹھا کر پھینک دیا۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہم اپنے گھر کی چیز و نگو بے انتہا تعجب سے دیکھتے ہیں اور کثرت تعجب ہمیں انکار پر آمادہ کرتی چلی جا رہی ہے۔

اس وقت ہندوستان میں شیعہ لٹریچر جس قدر شائع ہے اس کا بہت سا حصہ منقولات اغیار پر مشتمل ہے۔ یہ کتابیں تقریباً ہر شیعہ کے گھر میں موجود ہیں اور بیچارے عوام ہرگز معلوم نہیں کر سکتے کہ اس حربے کو کیوں استعمال کیا جائے۔ انکے لئے یہ امر بہت کافی ہے کہ فلاں بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور وہ کتاب بھی شیعوں سے منسوب ہے۔

غرض کتب مناظرہ بھی اشاعت مرویات اغیار کی ذمہ دار قرار پاتی ہیں۔ اصل مقصد کی عمدگی میں کلام نہیں لیکن اسکا یہ نتیجہ بہت بُرا نکلا کہ دود مرویات اغیار دماغوں میں بھر گیا اور اب یہ اس طرح کا جمل بن کر جم گیا کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

اگر ہم سنجیدگی اور متانت سے غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس وقت ہمارے کل فنون میں منقولات بیرونی و خیالات عامہ کی کامل آمیزش ہو چکی ہے حدیث ہو یا تفسیر فقہ ہو یا عقائد سب میں یہ جھلک موجود ہے۔ اور بہت کافی طور سے موجود ہے۔ اور اگر کوئی ان حقائق کو آشکارا کر نیکی لے کر کھڑا ہو تو مدعیان فضیلت کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مجرم نہیں ہو سکتا۔

جب صاحبان خصوصیت اس مرض کا شکار ہو چکے تو پھر عوام الناس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ انکی زبان سے تو انا وجدنا علیہ اباؤنا کے نعرے آج بھی اسی طرح بلند ہیں جیسے آج سے تیرہ سو برس پہلے ہو رہے تھے انکے لئے تو کسی مقدس کی درست بوسی نجات کا کافی ذریعہ ہے اور بس۔ اس سے



آگے کچھ ضرورت نہیں۔

ایک عجیب تماشہ اور ہے اور ایک باحواس انسان کو متحیر کر دینے کے لئے بہت کافی وہ یہ کہ استنباط احکام کی شرائط اربعہ میں سے ایک عقل بھی رکھی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل آیا یہیں تک محدود ہے یا ایک حجت عام ہے انسانوں کے لئے؟ تحدید عقل کا کوئی و نحوای مسموع تو نہیں ہوا۔ البتہ عملاً دیکھا جا رہا ہے کہ جبروتی بارگاہوں سے تعطیل عقل و سلب حواس کے فرمان صادر کئے جاتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان فرامین عالیہ کی صلاحت نفاذ روزمرہ کی مطرف جھکتی جا رہی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ صاحبان حکومت بھی اس راز سے ماہر ہو چکے ہیں اور اپنی ہر ممکن کوشش سے جبر نقصان پر آمادہ دیکھے جا رہے ہیں۔

مذہبی نگار خانے میں جب ہم داخل ہوتے ہیں تو ہر نقش پر سحر کرشمہ دامن دل می کشد کہ جانا بجاست۔ کائناتشہ نظر آتا ہے۔ آنکھ بند کر کے راستہ طے کرنا۔ یہ تو ایک دوسری بات ہے لیکن ذرا چشم بصیرت واکر لینے سے تو تماشہ ہی تماشہ نظر آتا ہے۔ یعنی اب یہ امر فیصلہ شدہ ہے کہ اصول میں تشکیک اصطلاحی حرام ہے لیکن عمل اس کے بالکل برخلاف ہے۔ غرض یہ نوبت جب ہمارے علوم اور حالمین علوم کی پہنچ گئی تو اب حقیقت کا سمجھنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہو گیا۔

اتنے حجاب ہیں جن میں مسئلہ امامت پوشیدہ ہو کر تقریباً بالکل غائب ہو گیا۔ اب اگر اس مسئلہ سے کام ہے تو صرف اتنا کہ اصول دین میں اسے سننے چلے آتے ہیں لہذا مان لو۔ ورنہ اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دنیا میں ایک قاعدہ سنا جاتا ہے کہ ہر چیز اپنی تعریف سے پہچانی جاتی ہے۔ اس بنا پر اگر ہم مسئلہ امامت کی تعریف پر نظر ڈالیں اور اُن الفاظ کو جانچیں جو تعریف امامت میں لکھے جاتے ہیں تو اُن سے ہرگز کوئی پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ ہم کس قسم کی امامت کے قائل ہیں۔ اس پر لطف یہ کہ اسی مسئلہ امامت میں شیعہ و سنی کا اختلاف مسلم ہے۔ لیکن تعریف امامت میں دونوں متفق۔ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ علمائے اہلسنت اس قدر



کمزور عقل والے تھے کہ امامت کی ایسی تعریف لکھ گئے جس سے شیعوں کو اپنا مقصود حاصل  
 کرنے کا موقع مل گیا۔ نہیں ہرگز نہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلسنت نے کبھی  
 معتقدات شیعہ کو اپنا یا غنہ قرار نہیں دیا البتہ شیعوں نے یہ فخر ضرور حاصل کیا ہے  
 اور تعریف امامت کا ماخذ انہی کی کتب عقائد میں۔ اگر کوئی صاحب ان کلمات سے برائیاں  
 تو وہ مہربانی فرما کر بجائے خفا ہونے کے تحریر فرمائیں کہ امامت کی یہ تعریف "اکامامۃ ہی  
 ریاسة عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابة عن النبی" یا "بتوسط البشر" کو کسی آیت اور  
 کوئی حدیث سے ماخوذ ہے۔ بعد معافی اپنا خیال واپس لے لیا جائیگا۔

اس مسئلہ پر البرہان لاہور میں کافی بحث ہو چکی ہے لہذا یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں  
 بمقتضائے مقام اشارہ کیا گیا۔

جب ابھی تک امامت کی تعریف صحیح ہمارے پاس موجود نہیں ہے تو پھر اس سے جس قدر  
 فروعات نکلیں گے وہ سب کے سب ناقص رہیں گے۔ اس نقش کو اگر ہم کمال سے تعبیر کریں  
 تو یہ قلب معکوس کا اقتضا ہوگا۔ بصیرت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

جو حضرات سطور بالا پر غور فرمائیں گے تو انکے دیانت کے ساتھ  
 اس نتیجہ پر پہنچنا پڑیگا کہ واقعی ہمارا عام طبقہ حقائق و معارف  
 امامت سے بہت دور ہو گیا۔ کیونکہ جب اصول عقائد کا ماخذ اقوال اشاعرہ و معتزلہ قرار  
 پاجائیں تو معرفت امام کا خدا ہی حافظ ہے۔

یہ اسباب ہیں جنہوں نے استعداد فطری کو سلب کر لیا۔ اور اب ایسے لوگوں کی یہ حالت  
 ہو گئی کہ اگر ان کے سامنے کوئی معمولی بات بھی امامت کے متعلق بیان کی جائے تو وہ صاف  
 ٹکڑے جاتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں اور غیظ و غضب کے ساتھ انکار۔

آج کل ہندوستان کے بعض اہل علم اس پر چین بھین ہیں کہ امام کو صاحبِ حق اور  
 محیط ملائکہ کیوں لکھا جاتا ہے۔ ایسا لکھنا۔ ایسا کہنا۔ ایسا عقیدہ رکھنا مذہب شیعہ کے  
 خلاف اور قطعاً خلاف ہے۔

واقفانہ مذہب شیعہ کی حالت اب سخت افسوس کے قابل ہے کہ اس کی لگائی میں ایسے



حضرات کے ہاتھوں میں جا پڑیں جنہیں تو ایمان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ بلا تکلف جو چاہت ہیں کہہ اُٹھتے ہیں۔ انہیں قطعاً کلام اللہ اور ارشادِ ائمہ سے کس نہیں ہے۔ یہ لوگ اگر کلام اللہ کو دیکھتے ہیں تو زرخشری اور فخر الدین رازی کی نینکوں سے دیکھتے ہیں اور یہی انکے لئے معراج کمال ہے۔

قبل اس کے کہ مسئلہ بیوت عنہا پر نظر ڈالیں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وحی کیسے گویا کسی چیز کی کیفیت اصلی نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم مجبور محض کر دئے گئے ہیں۔ بقدر امکان ثقل رسائی ضرور ہے۔ اس کیفیت کی تفصیل کے لئے ہمیں خود غور و فکر سے کام لینا چاہئے اس لئے کہ ہمارا بھی تو قدرت نے کچھ فرض قرار دیا ہے۔ غور و فکر کا مادہ ہم میں بھی ودیعت رکھا گیا ہے۔ ہم نے جب کسی زمانہ میں الست بریکہ کا جواب دیا تھا اپنی استدلال فطری کی بنا پر دیا تھا۔ یہی نص قرآنی حدیث مشہور کل مولود یولد علی الفطرة کا ماخذ ہے۔ ایسی حالت میں ہم مشغول الذمہ قرار پائیں گے اگر ہم نے اس دولت کو ضائع کر دیا۔ اصول عقائد بہت سیدھے سادھے اور صاف ہیں۔ یہ صرف دماغ کی کجی ہے کہ انہیں ٹیڑھا کر دیا گیا یا ٹیڑھا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کلماتِ دینیہ کو عجیب غریب سانچے میں ڈھال لیا ہے کہ سوائے حیرانی و پریشانی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

فصیر و صافی حوزہ خشکاء یغلظ کلہا و یخشن مسہا و یکاثر العشا و فیہا واکاعتد ارمینا نہایت سخت مقام میں ان کلمات کو ڈال دیا گیا ہے کہ اس مقام میں کاری زخم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس خاستان کو کوئی تھو نہیں سکتا قدم قدم پر ٹھو کریں ہیں اور جگہ جگہ پر غدرو اٹھتے رہیں۔

فطرت کے وہ اصول محکمہ جن کا جال ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور خود ہم میں موجود ہیں کبھی بیکار نہیں ہو سکتے بلکہ فطرتِ عالم بہترین طریقہ استدلال ہے۔ ہر چیز کے لئے۔ اگرچہ ہماری نظر اس کے انتہائی اسرار تک نہ پہنچے۔

قال سبحانہ عز شانہ۔ سفر بیہر آیاتنا فی الافاق و فی انفسہم حتی یتبین لہم اند الحق و ہم یکتفون بریکہ اند علی کل شئ شہید۔ ہم اپنی آیات۔ محکم آیات۔ زبردست نشانیاں ان لوگوں کو



آفاق میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھارہے ہیں۔ کیا تیرے پروردگار کے لئے یہ امر کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔

مجھے اس آیت کی توضیح سے اس وقت مطلب نہیں اور نہ اس کے اسرار و غوامض سے سر دست سروکار۔ لیکن صرف یہ دیکھنا ہے کہ دلائل آفاقہ و انفسیہ کو خداوند عالم نے حجت کاملہ کے طور پر پیش کیا ہے فللہ الحجۃ البالغۃ اور کامل حجّتوں کا قیام خدا کے ہی لئے ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اشیاء جو خدا کی طرف دلالت کر رہی ہیں آیا یہ دلالت کامل ہے یا ناقص؟ ناقص تو کوئی ایماندار کہہ نہیں سکتا لہذا کامل کہنا پڑیگا۔ جب کامل ہے تو پھر کامل چھو کر دوسری طرف جھکنا خود اپنے نقص کی دلیل ہے۔

اشیائے عالم پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو عالم مادیات کا پہلا طبقہ جسے جمادات موسوم کیا جاتا ہے اور جس سے ہم حس و حرکت کی نفی کر رہے ہیں۔ ایک حس باطنی اپنا اندر رکھتا ہے اور ایک شعور ذاتی اس میں موجود ہے۔ اگر یہ شعور نہ ہوتا تو کبھی اس میں بنو کی شکل نمودار نہ ہوتی۔ یہ شکل اسی لئے نمودار ہوئی کہ اس میں تلب نفع اور دفع ضرر کا شعور موجود ہے۔ وہ ان اجزاء کے ارضیہ کو جذب کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے جو اس کی غذا بن سکیں اور جن سے نشو و نما جسم کی ہو سکے۔ خالق ارض و سما نے بغیر کسی امداد خارجی کے یہ قابلیت اس کے اندر رکھی ہے۔ اور یہ قابلیت اس روح کا ایک اثر ہے جسے روح جمادی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قابلیت استعداد شعور اس روح کے خواص میں سے ہیں اور جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عالم جمادات کو اگر ہم جسم نامی نہیں سمجھتے تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے حالانکہ یہ ایک پوری امر ہے۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ٹکڑے اور بڑی بڑی چٹانیں نشو و نما کی کافی دلیل ہیں۔ اور یہی نشو و نما اس قابلیت کا اثر ہے جو روح جمادی کے خواص میں سے ہے۔

واضح ہو کہ موجودات میں کوئی شے روح سے خالی نہیں اور بغیر اس کے اس شے کا نظام جسمی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں اپنے مقام کے لحاظ سے اسکی شان مختلف ہے۔ اور مختلف ہونی بھی چاہئے۔



جب طبقہ حیوانات سے گزر کر آپ طبقہ نباتات میں قدم رکھیں گے تو یہاں بھی وہی اثر آپ کو  
کام کرتا ہوا نظر آئے گا جسے روح نباتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ شگوفہ زمینی۔ نشوونما  
یہ خوشنما ہریاں۔ اجزائے ارضیہ۔ اجزائے ہوائیہ۔ حرارت آفتابی و نورانیت نباتی سے اپنی  
اپنی غذا کو بلا تردد و جذب کرتے رہنا۔ لباس کہن ہر سال دور کر دینا خلعت نو سے مزین ہوجانا بغیر  
اسکے کہ باغبان کا تصرف ہو اور بغیر اسکے کہ کسی خارجی تدبیر سے توسل کیا جائے۔ آخر یہ کیا چیزیں  
ہیں؟ صاف کہنا ہوگا کہ مدبر حقیقی نے یہ تمام طاقتیں اس میں ودیعت رکھی ہیں۔ روح نباتی اپنی  
فرائض بجالا رہی ہے اور جس کام کے لئے وہ آئی ہے اسے انجام دے رہی ہے۔

اب آؤ۔ عالم حیوانات کا مشاہدہ کرو۔ یہاں بھی یہی رنگ آپکے پیش نظر ہوگا۔ تمام حیوانات  
اپنی اپنی فطرت پر عمل کر رہے ہیں۔ بیا ایک نطفہ سا جانور اونچی اور نازک پھننگوں پر اپنا گھونسل  
بناتا ہے۔ اسی خیال ہے کہ دشمن کی رسائی ویاں تک نہ ہو۔ اپنے آشیانے کو کرک شب تا بک  
روشن کرتا ہے۔ شہر کی مکھی ایک کامل مهندس کی طرح اپنا چھتہ تیار کرتی ہے۔ اسی طرح تمام حیوانات  
یہیونٹی سے لیکر بڑے سے بڑے کواہ پیکر اجسام تک اپنی تمام ضروریات پر طبعاً حاوی ہیں۔ اور یہ تمام  
روح حیوانی کے کرشمے ہیں جو حیوانات میں ہم کو نظر آ رہے ہیں۔

یہی حال ہم کو انسانوں کا نظر آئے گا جو بلحاظ ترکیب عنصری و کیفیت باطنی تمام طبقات سے  
افضل ہیں۔ یہ تمام ایجادات و اختراعات۔ تمدن کی نیرنگیاں۔ علمی انکشافات۔ آخر کیا چیز ہیں؟ او  
یہ بھی بدیہی بات ہے کہ ان تمام بوقلمونیوں کا منبع انسان ہی ہے۔ دیگر حیوانات قطعاً اس میں  
انسان کے شریک و ہم نہیں۔ اس سے باسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقہ یہ روح انسانی  
کے خواص ہیں۔ یہ خواص اس سے کبھی منفک نہیں ہوتے۔ لایہ کہ انسان خود اس روح سے ہی  
تعلق نہ رکھے۔ پھر جب اسی سے تعلق نہ رہا تو اسکے خواص سے کیونکر شتمع ہو سکیگا۔

عالم کی ہیئت ترکیبی پر معمولی غور کرنے سے یہ راز بھی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ طبقہ اعلیٰ  
طبقہ اودنے کے اوصاف پر متعین شے زائد حاوی و محیط ہے۔

مثال یوں سمجھو کہ پتھروں میں جو روح کام کر رہی ہے وہ اپنے مقام پر اچھا کام کر رہی ہے  
لیکن عالم نباتات اس روح کو بھی لئے ہوئے ہے جس سے جمادات کا قیام ہے اور پھر ایک



جدید اضافہ بھی اس کے قبضہ میں ہے جسے روح نباتی کہتے ہیں۔ جس کے ذرا۔

اس بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ طبقات عناصر میں ہر طبقہ جو اپنے اندر روح رکھتا ہے اس روح کے اثرات طبعی بھی رکھتا ہے۔ نہ جمادات اس سے خالی نہ نباتات نہ حیوانات اس حال سے سبکدوش ہو سکتے ہیں نہ انسان۔ انہی اثرات کو اشیاء کے خواص طبعی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ انہی کو شعور طبعی بھی کہتے ہیں۔ اور یہی ادراک طبعی سے بھی موسوم ہے۔

اب غور کرو لفظ وحی پر اصلہ فی لغت العرب اعلام فی الحقائق ولذا لث صار الہام لیسٹی وحیا اصل لغت عرب میں پوشیدہ اور خفیہ تعلیم کو وحی کہتے ہیں اور اسی لئے الہام کو وحی کہا گیا ہے کیونکہ الہام بھی القافی القلب کا نام ہے۔ خیر۔

اس قدر معلوم کرنے کے بعد ہر صاحب بصیرت غور کرے گا کہ یہ پوشیدہ تعلیم قدرت کی طرف سے ہر چیز کو اس کی حیثیت کے موافق دی گئی ہے۔ پوشیدہ تعلیم کے یہ معنی نہ سمجھیں کہ کوئی مولوی صاحب کسی شاگرد مخصوص کو علیحدہ حجرے میں لئے بیٹھے رہیں اور پڑھایا کریں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ وہ پوشیدگی ہے جسے واقف پوشیدگی کہتے ہیں۔ اور اسی پوشیدہ تعلیم کا اثر ہے ان من شیء الا یستجیب لہ۔ فطرت شخص میں کسی چیز کا رکھ دینا۔ حقیقت یہی پوشیدہ تعلیم ہے۔ اسی کا نام وحی ہے اور اسی لئے خداوند عالم نے ہر قسم کی مخلوق کی نسبت لفظ وحی استعمال فرمایا ہے۔

وحی الی الارض کی نسبت ارشاد ہوتا ہے بان ربک اوحی لہا زمین اپنے اخبار بیان کر لی اس لئے کہ تیرا پروردگار اسے وحی کر چکا۔ یعنی زمین کی طبعی حالت میں تیرے پروردگار نے یہ امر بھی رکھ دیا ہے کہ وہ اپنے حالات جو اس پر گزرتے ہیں بیان کرے۔ یہ امر کوئی امر نو نہ ہو گا۔ آج بھی زمین میں یہ استعداد موجود ہے اور اسی کے سامنے ظہور میں آتی ہے جو اس کے سننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے امیر المؤمنین سے زمین کو باتیں کرتے سنا اور جس کا اظہار آپ نے رسول اللہ سے کیا۔

حضرت باقر عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح معمار کے ہاتھ میں وہ آلہ ہوتا ہے جس سے وہ تمام مکانوں کی پیمائش کر لیتا ہے اسی طرح ہمارے ہاتھ میں زمین کی رگیں ہیں۔



اللہ علیہم السلام سے زمین کا بابتیں کرنا کتب شیعہ میں بکثرت موجود ہے جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہ کرے گا۔ بہر طور لفظ وحی زمین کی نسبت آیا ہے اور اسی قرآن میں آیا ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے۔

حیوانات کی نسبت ارشاد ہوا ہے ادھی ربك الى النحل تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی بھی اسی شعور فطری کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ واضح رہے کہ لفظ وحی شعور فطری پر جس طرح حاوی ہے اسی طرح القا فی القلب پر بھی یعنی کسی امر جدید کا دل میں وارد ہو جانا۔ یہ بھی فی الحقیقت اسی خفیہ تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ وروا امر جدید کے متعلق ارشاد ہوا ہے ادھیئت الى الحواریین میں نے حواریین کو وحی کی۔ اے القیت فی قلوبہم یعنی ہم نے اُنکے دلوں میں ایک بات ڈال دی۔

پھر ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے واوحینا الى ام موسیٰ ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی کر دی بعض افاضل کا اس کے متعلق یہ ارشاد قیل هو وحی اعلام کا الہام کہ اس سے وحی اعلامی مراد ہے نہ کہ الہامی۔ صرف لفظوں کا الٹ پھیر ہے اور شدت احتیاط کا مقتضی۔ اسی طرح لفظ وحی قرآن مجید میں آسمان کی نسبت بھی آیا ہے مگر یہ خوب غور کر لیجئے کہ یہ لفظ کسی طبقہ مخلوق کی نسبت استعمال کیا جائے اس کا مفہوم اصلی اعلام فی الخفاء ضرور باقی رہے گا۔ خواہ وہ شعور فطری ہو یا القائے امر جدید۔

یہ بحث ”القائے امر جدید“ ایک درمیانی بحث تھی۔ سر دست ہم اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ یہ وضاحت صرف اس لئے کر دی کہ آئندہ کسی موقع پر کام آئے اور اس کے ساتھ ہی دفع دخل بھی ہو جائے۔

ہم اس وقت صرف شعور فطری سے بحث کر رہے ہیں اور ہم نے بتا دیا ہے۔ گواجمال کے ہی ساتھ سہی۔ کہ شعور فطری ہر چیز میں موجود ہے۔ اور یہ شعور خاصیت ہے اُس روح کی جو اُس شے میں جاری و ساری ہے۔ اور اس شعور کو بھی وحی کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور خود اُسے نامزد کیا ہے کہ جو تمام شعور و ادراکات کا خالق ہے۔

اتنا سمجھنے کے بعد اب یہ بھی غور فرمائیے کہ ہر طبقہ کے شعور فطری میں اختلاف ہے۔ یا یوں کہو کہ



جس کی روح قوی ہے اُسکا شعور بھی قوی ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ اور جسکا شعور قوی ہے اُسکی وحی بھی قوی ہوگی۔ کیونکہ اسی شعور کو تو وحی کہا گیا ہے۔

یہ امر تسلیم کر لینے کے بعد آپ کو ماننا پڑیگا کہ لطیفہ انسان بجز دیگر طبقات کے یقیناً افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی لئے اُسکا شعور۔ اسکا ادراک۔ اس کے قبائلی عقلیہ۔ اس کی روح سب سے قوی ہونگے اور اسی بنا پر اسکی وحی بھی طبقات ماتحت کی نسبت قوی ہوگی۔

لطیفہ۔ چونکہ انسان کی روح سب سے قوی ہے اسی لئے اس پر جو افاضات ہوتے ہیں وہ بھی دیگر مخلوق سے بہت زیادہ ہیں۔

دوسری مخلوق کا یہ حال ہے کہ جو چیز انکی فطرت میں رکھی گئی ہے بس وہ اُسی پر چل رہی ہیں۔ شہد کی مکھی آج سے ہزاروں برس پہلے جس قسم کا گھر بناتی تھی ویسا ہی آج بھی بناتی ہے گویا اُسکی روح افاضہ امر جدید کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس میں اسکی قابلیت ہے۔ برخلاف اسکے انسان کی قوتیں بہت زیادہ ہیں۔ خصوصاً انفس ناطقہ انسانی کی قوت و طاقت سبحان جو ظہور دار ہے مدبرہ طاقتوں کا۔ اسی لئے انسان اسکی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس پر افاضات جدیدہ وارد ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے گواہی دہم وحی کی حدیں ایک ہی مقام پر جا کر مل جاتی ہیں لیکن پھر بھی الہام میں کچھ نہ کچھ نزاکت ضرور ہے۔ اسی واسطے بلحاظ مورد لفظ وحی عام ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول سب کے لئے آیا ہے۔ اور الہام صرف نفس ناطقہ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ و انفس و ماسواھا فالہما فجرھا و تقواھا قسم ہے نفس کی اور اُسکی جس نے اسکا تسویہ کیا اور پھر اسنے اسکے فجور و تقویٰ کا الہام کر دیا۔

آپ اس ضمنی بحث میں اُبھکر مطلب اصلی ہاتھ سے نہ جانے دیں یعنی جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ انسان یا یہ کہو کہ روح انسان کی قوت سب سے زیادہ ہے تو اسکا لازمہ یہ ہے کہ اس کا شعور و ادراک بھی سب سے قوی ہوگا۔ یا یوں کہو کہ اس کی وحی بھی سب سے قوی ہوگی۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انسان کو اس فیض سے محروم کر دیا جائے۔ اور ہم اس کے شعور فطری ذاتی کو وحی سے تعبیر نہ کریں۔ جبکہ ہر حجر و شجر اس فیض سے اپنی اپنی قابلیت کے موافق حصہ لے رہا ہے۔



روح شہیدہ۔ ضرور ہے کہ ارباب ادعائے علم ان الفاظ پر بہت کچھ چوکتے ہونگے۔ اور ان کے  
کا صاحب بھی ہونا نہیں ملے گا۔ یا دماغی طغیانوں پر آمادہ کر گیا لیکن جو نتائج کہ بدیہی ہوں ان کے  
اعلان میں کسی کے شور و غوغا سے مرعوب ہو جانا علمی دنیا میں خوفناک جرم سمجھا گیا ہے۔  
اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے وحی کو انبیاء سے مخصوص کر دیا ہے۔ گویا انہوں نے یہ کلیہ  
قائم کر لیا ہے کہ ہر صاحب وحی نبی ہے۔ اگر اس کلیہ کو صحیح مان لیا جائے تو حواریتین کو نبی  
تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن میں انکی طرف وحی کی نسبت دی گئی ہے۔ اور اگر کھینچ مان کر انہیں نبی  
بھی بنایا گیا تو پھر ماورائے کی نسبت کیا ارشاد ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی بنص قرآنی صاحب وحی ہیں  
پس جب کلیہ ہی صحیح نہیں ہے اور نصوص قرآنیہ اس کی تردید اور کھلی ہوئی تردید کر رہی ہیں  
تو پھر اس پر تفریعات کیونکر مترتب ہو سکتی ہیں۔

آئیے مسئلہ اصلی پر ہم بیان کر رہے ہیں کہ بلحاظ درجات جس طرح روح مختلف درجے  
رکھتی ہے اسی طرح اسکے شعور و ادراک بھی مختلف ہیں یعنی وحی بھی اسی طرح مختلف درجے  
رکھتی ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں دامن اہلبیت سے  
متصل کر دیا۔ اگر ان سرچشمہ ہائے علوم حقیقی کے فیض کی شعاعیں ہم تک نہ پہنچیں تو یقیناً  
ہمارا قدم متزلزل ہو جاتا۔ اور ہم ضرور کہہ اُٹھتے کہ ہماری وحی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ  
کی وحی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بلحاظ تصفیہ قلبیہ انہیں مبادی عالیہ سے  
اتصال زیادہ تھا۔ یہ اتصال ہمیں بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر ہم کوشش کریں۔ چنانچہ اسی خیال نے  
لوگوں کو بہکا دیا اور اب بھی لاکھوں مخلوق بہکی ہوئی نظر آتی ہے۔

اقسام روح۔ اب ہم روح کے اقسام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ روح  
کی کتنی قسمیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روح ایک ہے جو ہر مجرود ہے جس میں تقسیم جاری نہیں  
ہو سکتی۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن کسی شے کی تقسیم اور چیز ہے اور اس کے اقسام مستقل و سری  
چیز روح کی نہیں ہم کو بدیہی طور پر نظر آرہی ہیں۔ اگر جمادات میں وہی روح ہے جو نباتات  
میں ہے تو پھر اول الذکر میں وہی صفات و آثار کیوں نہیں جو آخر الذکر میں ہیں۔ اور اگر نباتات



میں اسی روح کا جلوہ ہے جسکی حیوانات میں روشنی سب سے تو کیوں انباتات میں حیوانات کے تمام آثار و خواص نہیں پائے جاتے۔ اگر حیوان اور انسان کی روح ایک ہے تو پھر کیوں ان کے افعال و اطوار یکساں نہیں ہیں۔ غرض قسمیں روح کی ضرور ہیں اور جسکو جو روح دی گئی ہے اس کے ظرف کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ خیر اب انسان کو دیکھو کہ آیا یہ ایک روح رکھتا ہے یا کچھ زیادہ۔ ہم نے اسی سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ہر ایک طبقہ مافوق طبقہ ماتحت کے کمالات پر بھی حاوی ہے اور خود مستقلاً بھی ایک فیض جدید لیے ہوئے ہے۔ مثلاً نباتات کہ وہ روح جماد کو بھی لیے ہوئے ہیں۔ اور خود بھی ایک اخاضہ جدید یعنی روح نباتی رکھتی ہیں۔ پس انسان جو سب سے مافوق ہے وہ تمام ارواح سے گانہ ماتحت کو بھی لے رہا ہے اور ایک جدید چیز یعنی روح انسانی بھی اس کے پاس ہے بلکہ اس کی انسانیت اسی کے دم سے ہے۔ ورنہ بغیر اس کے وہ بھی ایک دو پایہ بغیر دم کا حیوان ہے۔

احادیث کے تتبع سے صاف ظاہر ہے کہ عام انسانوں میں تین روحیں پائی جاتی ہیں یعنی روح القوة، روح الشهوة، روح البدن۔ روح القوت سے تدبیر معاش متعلق ہے روح الشهوة سے لذت طعام و نکلح کا تعلق ہے۔ اور روح البدن کے سبب سے انسان چلتا پھرتا ہے۔ ان میں سے کوئی روح بھی ادراک و شعور یا وحی فطری سے خالی نہیں ہے۔ اب ایک روح اور جو مومنین سے مختص ہے۔ اُسکو روح الایمان کہا جاتا ہے۔ اس روح کے آجائے سے ارواح سے گانہ ماتحت کے افعال و شعور و ادراک اعتدال پر رہے ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر روح الایمان کی حکومت ہو جاتی ہے۔ اور حسب قاعدہ فطریہ یہ روح ایمانی بھی اپنی خصوصیات فطریہ اور شعور و ادراک کو لیے ہوئے ہے۔ اور جبکہ روح الایمان کمال کو پہنچتی ہے تو اپنے سے مافوق روح کے اثرات لینے لگتی ہے۔ جیسا کہ مسلمان مثلاً اہل البیت سے ظاہر ہے۔ اس سے مافوق جو روح ہے اُسکا نام روح القدس ہے۔ اور وہ خاص لوگوں کے لیے ہے عجم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ روح بھی شعور اور ادراک فطری اور اپنی خاصیتوں سے خالی نہیں مانی جاسکتی۔ مگر ہاں اس کے شعور و ادراک یقیناً ارواح ماتحت سے بہت اعلیٰ ہیں۔ اور اس کی وحی بہت بلند ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ روح القدس کو وحی سے خالی



تسلیم کر لیا جائے معقول ہر یا منقول کسی حیثیت سے بھی یہ روح اپنے کمالات سے خالی فرض نہیں کیجا سکتی۔ اور نہ یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ عام انسانوں کا شعور اور ادراک بھی انہی انسانوں جیسا ہے جو روح القدس کے حامل ہیں۔

فی الکافی عن امیر المؤمنین علیہ السلام ان الانبیاء وھم السابقون خمسۃ ادراج روح القدس وروح الايمان وروح القوة وروح الشهوة وروح البدن وقال فبروح القدس یعتق الانبیاء وبعھا علموا الاشیاء وبروح الايمان عبدوا الله ولم یشرکوا به شیئاً وبروح القوة جاهدوا عدوهم وعلجوا ما شہد وبروح الشهوة اصابوا الذیذ الطعام وعلجوا الخلال من شباب النساء وبروح البدن دبووا ورجوا ثم قال وللمؤمنین وھم اصحاب الیمین الاربعۃ الاخیریۃ وعلجوا اصحاب الشمال لثلاثۃ الاخیرۃ۔ الحدیث

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چاروںہ نفسیں ہیں انہیں پانچ روہیں ہیں۔ روح القدس۔ روح الايمان۔ روح القوة۔ روح الشهوة روح البدن۔ روح القدس کے ساتھ انبیاء معوض ہوئے اور اس کے سبب سے اشیاء (حقائق اشیاء) کو معلوم کیا۔ روح الايمان کے سبب سے خدا کی عبادت کی اور کسی کو اس کا شریک نہیں گردانا۔ روح القوت کے سبب سے اپنے دشمنوں سے جہاد کیا اور معاش کی تدبیر کی۔ روح الشهوت کے سبب سے لذت طعام حاصل کی اور جوان عورتوں سے نکاح حلال کیا۔ اور روح بدن کے سبب سے چلتے پھرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اخیر کی چار روہیں مومنین کے لئے ہیں جو اصحاب یمین (علی) کہلاتے ہیں۔ اور باقی آخری تین روہیں کفار کے لئے ہیں جو اصحاب الشمال ہیں۔ اس حدیث سے جہاں روحوں کے اقسام معلوم ہوئے وہاں ان کے افعال و خواص بھی معلوم ہو گئے۔ روح القدس کا یکم بتایا ہے کہ اس کے سبب سے حقائق اشیاء معلوم ہوتے ہیں اب جہاں کہیں بھی روح القدس پائی جائے گی اپنے انہی خواص و افعال و شعور فطری و ادراک فطری کے ساتھ پائی جائے گی۔ اور یہی اس کی وحی فطری ہوگی۔

جب ہم سلسلہ وارد دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ ہر روح کو خداوند عالم نے کچھ خاصیتیں عطا فرمائی ہیں تو روح القدس کو اس کی حیثیت اور درجے کے موافق کیوں نہ کچھ خصوصیات عطا فرمائیں گے۔ اب



جہاں روح القدس کا وجود ہوگا وہاں اسکے خواص کا وجود کیونکر تسلیم نہ کیا جائیگا۔

انتشار آئندہ بیان کیا جائیگا کہ ائمہ علیہم السلام میں روح القدس موجود ہے۔ صرف روح القدس نہیں بلکہ روح اعظم ان میں جلوہ گر ہے۔ اور اپنے پورے کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس سے اگر کوئی کہے کہ انکا انبیا ہونا لازم آتا ہے تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ بہت اچھا آنے دیجئے۔ اگر واقعاً اس سے یہی لازم آتا ہے تو پھر مجبوری کا مقام ہے۔ جو شخص شاداً ائمہ پر ایمان رکھتا ہے وہ تو فوراً تسلیم کر لیگا۔ وہ خرق اجماع مرکب کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ بلکہ انبیا ہونا تو ایک طرف۔ اگر خدا ہونا لازم آئے تو اپنا کیا نقصان ہے آنے دیجئے۔ وہمیات کی بنا پر احادیث کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن سمجھ دار جانتے ہیں کہ صلاحیت نبوت واستعداد نبوت دو سرئی چیز ہے۔ نبوت فعلی دوسری چیز اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سلسلے کے اسما جتنے ہیں تو فیقی ہیں جس کو خدا نے نبی کہا ہے اُسکو نبی کہا جائیگا جسکو ولی کہا گیا ہے اہل ایمان اُسے ولی کہیں گے۔ جو امام ہے وہ امام ہی پکارا جائیگا۔ اور جو رسول سے مخاطب کیا گیا ہے اُسے رسول سے ہی مخاطب کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی اپنی خصوصیات بھی لئے ہوئے ہے۔ ہم اپنی طرف سے کسی خطاب دینے کے مجازہ نہیں ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان سے کمالات و علوم کی بھی نفی لازم آئیگی۔ سبحان اللہ۔ اہل ایمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ روح کی جو قسمیں بیان ہوئیں ان میں سب سے بڑھا ہوا مرتبہ روح القدس کا ہے۔ اسی کے سبب سے انبیا مبعوث ہوتے ہیں اور اسی کے سبب سے حقائق اشیا کو جانتے ہیں۔ گویا علم حقائق اشیا اس روح کے خواص میں ہے۔ اب جہاں جہاں یہ روح پائی جائیگی وہاں اپنے خواص کے ساتھ ہی پائی جائے گی۔ اور یہی خواص شعور فطری اور وحی فطری ہیں۔ پس اس روح کو ہرگز وحی سے خالی فرض نہیں کیا جاسکتا۔ اس ضمن میں ہمیں یہ بھی بیان کر دینا چاہیے کہ ایک روح اور بھی ہے جسے روح اعظم کہا جاتا ہے۔ اور وہی ام الارواح ہے۔

ہندوستانی کان جو تعلیمات ائمہ سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ یہ کمالات بیشک ان کو غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ جن لوگوں کی عمریں انتشار ائمہ



کے مطالعے اور تصفیہ و تزکیہ قلب میں گزری ہیں انہوں نے ان تمام مطالب کو انہی معصومین کے کلمات سے اخذ کیا ہے۔

چنانچہ ایک عالم بزرگوار محمد قطب الدین حسینی استاد بحر العلوم اپنے ایک مختصر رسالہ ”روحیہ قدسیہ“ میں بیان کرتے ہیں۔

لَمَّا اقْتَضَى شَأْنُ الْإِلَهِيَّةِ الْجَامِعَةِ جَمِيعَ الْكَمَالَاتِ بِسُطَةِ مَلَكَهَ الْإِيمَادِ وَالرَّحْمَةِ وَنَشْرُوءَ الْقُدْرَةِ وَالْحِكْمَةِ وَلَقَدْ كَانَتْ عِزَّةُ الْقَدَمِ بَعِيدَةً الْمُنَاسِبَةِ عَنْ ذِلَّةِ الْحُدُوثِ فَقَضَى سُبْحَانَهُ بِتَخَلُّفِ نَائِبٍ يَغُوبُ عَنْهُ فَخَلَفَ خَلِيفَةً لَهُ وَجَبَّهُ إِلَى الْقَدَمِ لِيَسْتَدْبِرَهُ مِنَ الْحَقِّ وَوَجَّهَهُ إِلَى الْحُدُوثِ بِمَدَّيْنِهِ الْخَلْقِ فَخَلَعَ عَلَيْهِ جَمِيعَ أَسْمَائِهِ وَأَنْعَمَ عَلَيْهِ كِرَامًا أَلَانَةً وَكُنَّ فِي مَسْنَدِ الْخَلَافَةِ بِالْقَاءِ مَقَادِيرُ الْأُمُورِ أَلِيَّةٌ وَاحِدَةٌ حَكُمًا لِحُجُورِ عَلَيْهِ وَجَعَلَ بِحُكْمِ أَسْمَائِهِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ حَقِيقَةً بَاطِنَةً هِيَ الْعَقْلُ الْكُلِّيُّ الْمُسَمَّى بِالْقَلَمِ الْأَعْلَى وَالرُّوحُ الْأَعْظَمُ وَصُورَةٌ ظَاهِرَةٌ هِيَ الْعَالَمُ الْخَلْقِيُّ

جب شان الوہیت جامع جمیع کمالات کی شان کا اقتضا ہوا کہ مملکت ایجاد اور رحمت واسعہ کو پھیلادے۔ قدرت اور حکمت کے پھر پرے الوہیت کی ہوا میں اُڑیں۔ ادھر تو یہ اقتضا تھا اور اُدھر قدم ذاتی کی عزت ذلت حدوث سے کچھ بھی مناسبت نہ رکھتی تھی۔ لہذا خالق عز و شان نے اپنا ایک نائب مقرر کیا اور ایک اپنا خلیفہ قرار دیا۔ جس کا ایک رُخ قدم کی جانب ہو جس سے وہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے استمداد کرے۔ اسکے فیوض کا اکتساب کرے۔ اور ایک رُخ اُسکا مخلوق کی جانب ہو جس سے وہ مخلوق کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف جذب کرے اور انہیں فیوضات الہیہ پہنچائے۔ یعنی اس کے حدوث کی حد آخری قدم کی منزل سے متصل ہو۔ غرضی کہتا ہے کہ

سَامِعُ اسْكَانٍ وَوَجُوبٌ نَشْتَدُ مَوَدِّعَتَيْنِ نَشْأَةُ اِطْلَاقِ اَعْمَرِ

تَقْدِيرُ نَشَانِدِ بَيْكٍ نَاقِدٍ وَحَمَلِ سَمَاءُ حُدُوثِ تَوَلِيدِ اُسْ قَدَمِ

پس خداوند عالم نے اپنے تمام اسما کا خلعت اُسے پہنایا اور کرامت نغات سے اُسے متنعم کیا۔ امورات کے اندازے اُسپر القا کیے۔ جمہور کے احکام اس کی تحویل میں دیدیئے۔ اور چونکہ خداوند عالم کے دو اسم ظاہر و باطن بھی ہیں لہذا باقتضائے اسم ”الباطن“ ایک حقیقت باطنہ قرار دی۔ اسی کو عقل کل کہتے ہیں۔ اسی کا نام قلم اعلیٰ ہے۔ اور اسی کا نام



روح اعظم۔ اور اسٹم الظاہر کی بنا پر ایک صورت ظاہری قرار دی اور وہ صورت ظاہری یہی عالم ہے۔

اس عالم بصیر کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ روح اعظم اس عالم ظاہری کی حقیقت باطنی کا نام ہے اور اسی روح اعظم کا حامل خلیفۃ اللہ ہے۔ تمام اسمائے الہیہ کے خواص اس میں ہیں۔ تمام امور کے اندازے اور مقادیر اس پر القا ہو چکے ہیں اور تمام احکام اسکے سپرد کیے گئے ہیں واضح ہو کہ سطور مندرجہ بالا اہلبیت ظاہرین کے ارشادات کا خلاصہ ہیں۔ کسی کی ذاتی رائے ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائیگا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روح اعظم جو خلیفۃ اللہ قرار پائی تو اس طرح کہ تمام اسمائے الہیہ کے خلعت سے اسے مخلع کیا گیا۔ اور تمام مقادیر امور اس پر القا کیے گئے۔ اب فرمائیے۔ اسی القا کا نام وحی ہے یا وحی کچھ اور چیز ہے۔ یاں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ روح اعظم جسے نورانی سو جلوہ گر ہوگی تو اس وقت یہ کیفیت القائے مقادیر امور و تحویل احکام جمہور اس سے سلب ہو جائیگی یا نور علی نور ہو کر اس کے کمالات و گنی اور چو گنی روشنی دینگے۔ العجب ثم العجب خلیفۃ اللہ اور وحی سے خالی۔ اذس ہزار افسوس! ان چیزوں کے بیان کر نیوالے کو با واز بلند نہ دینی چاہیے۔

بیاد رہے گراںخبا بود زباندانے غریب شہر سخنہائے گفتنی و ارد

مولوی سید محمد سبطین صاحب مولف الصراط السوی نے بہت بڑا کیا جو ائمہ کو صاحب وحی و مہبط ملائکہ کہہ دیا۔ ان بزرگواروں کی اتنی شان کہاں۔

مجھے ایک مسئلہ میں مدت پریشانی لاحق ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ اب شیعوں کا یہ مسئلہ مسئلہ ہے کہ ائمہ معصومین تمام انبیائے مابقی سے خواہ وہ رسول ہوں یا اولوالعزم سوائے خاتم المرسلین افضل ہیں۔ یہ افضلیت آیا یونہی خوش اعتقاد دی کے ساتھ زبانی جمع خرچ ہے یا اس کی کچھ حقیقت بھی ہے۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ فضیلت عند العقل فضیلت علمی ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم ہے جس کا تعلق کتاب سے ہے۔ اہل علم نے اگر علم کتابی کو علم کہا ہے تو مجازاً کہا ہے۔ ورنہ واقعیہ علم نہیں۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔



لیس العلم ما یحصل بالسمع وقراءت الکتب وحفظها فان ذلک تقلید - سُننے اور کتابوں کے پڑھنے اور ان کے رٹ لینے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ فی الحقیقت علم نہیں ہے بلکہ تقلید ہے۔

اب ایک علم کی دوسری شان ہے۔ یعنی علم وہی۔ یہ علم وہی حاصل نہیں ہوتا مگر وحی و الہام سے۔ پس جب وحی کی نفی ہو گئی تو گویا علم وہی کی نفی ہو گئی۔ اور جب علم وہی کی نفی ہو گئی تو انبیاء و فضیلت یعنی چہ۔ یہ کونسا قانون عقل ہے۔ حکم قرآنی تو یہ ہے۔ هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے کیا مساوی ہو سکتے ہیں۔ قرآن تو عالم و جاہل کو مساوات کی سند پر قدم نہیں رکھنے دیتا۔ آپ فضیلت لئے پھرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان کا علم از روئے الہام ہے نہ کہ از روئے وحی۔ تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وحی و الہام حقیقت واحد رکھتے ہیں۔ اختلاف صرف مورد کا ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول کا فرق ہے۔ مگر ”وما یتذکرا الا اولوا الالباب“ صاحبان لب ہی اس حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ کی نسبت احادیث میں لفظ وحی نہیں آیا۔ تو یہ حکم محض ہے۔ اور بالکل بے دلیل۔ جیسا کہ واضح ہو جائے گا۔

الغرض اس بیان سے ناظرین کو اس نتیجہ پر پہنچنا چاہیے کہ روح القدس اور روح اعظم اپنے اپنے خواص رکھتی ہیں۔ اب دیکھیے کہ ائمہ علیہم السلام میں یہ روح قدس یا روح اعظم موجود ہے یا نہیں؟ احادیث سے آپ کو ثابت ہو جائیگا کہ ضرور موجود ہیں۔

ان احادیث کے مطالعہ سے پہلے ایک امر ضرور ذہن نشین کر لیجئے کہ ان میں روح القدس کا بھی ذکر ہے اور روح اعظم کا بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح اعظم جہاں پائی جائے گی وہاں روح القدس ضرور پائی جائیگی۔ اس لئے کہ طبقہ اعلیٰ طبقہ ادنیٰ کے کمالات پر حاوی ہوا کرتا ہے۔

(حدیث نمبر ۱۔ اصول کافی، ذکر ارواح الاتی فی الاثمة علیہم السلام۔ عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام قال سالتہ عن علم العالم فقال لی یا جابر ان فی الانبیاء والاصیاء



خمسة ارواح روح القدس وروح الايمان وروح الحجة وروح القوة وروح الشهوة فيروح  
القدس يا جابر عرفوا ما تحت العرش الى تحت الثرى ثم قال يا جابر ان هذه الاربعة  
ارواح تصيدها الحد ثان الا روح القدس فانها لا تلهو ولا تلعب ۔

جابر جعني منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جبکہ جابر نے تمام کے  
علم کی نسبت سوال کیا۔ اسے جابر انبیاء اور اوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح القدس  
روح الايمان۔ روح الحیات۔ روح القوت۔ روح الشهوة۔ پس اسے جابر اروح القدس کے  
سبب سے وہ عرش سے لیکن تحت الثرى کے کلمات جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اسے جابر!  
یہ باتیں جو چار روحیں ہیں ان پر حوادث ظاہری ہوتے ہیں مگر روح القدس ان سے مستثنیٰ ہے  
وہ لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتی۔

سبحان اللہ۔ اس حدیث میں کتنے اسرار ہیں۔ خصوصاً روح القدس کو برحق من الحد ثان  
فرمانا کتنے اسرار کا جامع ہے لیکن اس مقام پر ان چیزوں سے تعرض کرنے کا موقع نہیں۔ مجلاً  
اتنا سمجھ لیجئے کہ جو روح القدس انبیاء میں جلوہ گر ہوتی ہو وہی اوصیاء میں بھی۔ اور جن کمالات  
کے ساتھ انبیاء ہیں آتی ہے انہی کمالات کے ساتھ اوصیاء میں۔ اللہ علیہم السلام کو اوصیاء سے  
پیشہ تو بلا اختلاف تسلیم کیا جا رہا ہے۔ پھر انہیں حامل روح القدس کیونکہ نہ بھاجا نہ بگا۔ اور  
یہ ہم کہتے ہی چلے آ رہے ہیں کہ حسب قاعدہ فطری روح القدس بھی شعور فطری سے خالی نہیں۔  
اور اسی شعور فطری کا نام وحی ہے۔ پس روح القدس کے لئے بھی وحی لازمی ہے۔

(۲) عن الفضل بن عمر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن علم الامام جاف  
اقتدار الارض و هو فی بیتہ مرخی علیہ سترة فقال یا فضل ان اللہ تبارک و تعالیٰ جعل  
فی النبی علیہ السلام خمسة ارواح روح الحیوة فیہ و روح القوة فیہ و روح  
جہاد و روح الشهوة فیہ اکل و شرب و اتی النساء من الحلال و روح الايمان فیہ من و  
عدل و روح القدس فیہ حمل الثبوة فاذا قبض النبی علیہ السلام انتقل روح القدس  
فصار الی الامام و روح القدس لا ینام و لا یفعل و لا یلہو و لا یزہو و الاربعة الارواح فنام  
تفعل و تلهو و تزہو و روح القدس کان یرى بہ (منہ)



مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ امام اپنے  
 گھر میں ہوتا ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں اطراف زمین کا علم امام کو کیونکر ہوتا  
 ہے؟ فرمایا اے مفضل واقعہ یہ ہے کہ خداوند جل و علا نے حضرت پیغمبر علیہ السلام میں پانچ  
 روہیں قرار دیں۔ روح الحیات جس کے سبب سے چلنا پھرنا ہوتا ہے۔ روح القوت  
 جس کے سبب سے پیغمبر کھڑا ہوا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ روح الشہوت جس کے متعلق اکل  
 شرب ہے اور بطریق حلال خورتوں کے پاس جانا۔ روح الایمان اس میں امن اور میانہ روی  
 ہے۔ روح القدس جس میں برداشت نبوت ہے پس جبکہ نبی علیہ السلام نے انتقال فرمایا  
 تو روح القدس منتقل ہو کر امام کی طرف آئی۔ اور یہ روح القدس نہ سوتی ہے نہ غافل ہوتی ہے  
 نہ اسے لہو و لعب سے تعلق ہے نہ عجب و تکبر سے۔ اور باقی ارواح سوتی بھی ہیں۔ غافل بھی  
 ہوتی ہیں۔ لہو و لعب میں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اور فخر و افتخار بھی کیا کرتی ہیں۔ اب امام  
 جو کچھ دیکھتا ہے روح القدس کے ساتھ دیکھتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث بے شمار ہیں۔ اور عجیب ہے کہ اب اس امر پر تعجب ظاہر کیا جاتا ہے  
 کہ امام سے روح القدس کا تعلق ہو گیا۔ حالانکہ امام زیادہ سے زیادہ ایسا ہی ہو سکتا ہے  
 جیسے کہ ایک اچھا پڑھا لکھا آدمی اور بس۔

واضح ہو کہ ملا خلیل قزوینی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے روح القدس کی نسبت  
 یہ فقرہ لکھا ہے ”دیگرے روح القدس کہ نوعی از فہم و حفظ و عقل است“ یعنی روح القدس  
 کو فہم و حفظ کی اقسام میں داخل کیا ہے۔ مگر یہ شرح متن حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ اس  
 فاضل نے روح القدس کو بہت سطحی نظر سے دیکھا ہے۔

یہ احادیث اس لیے بیان کی گئیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام روح  
 القدس کے حامل ہیں۔ اب آئیے روح اعظم کی طرف اور اس کا جلوہ وجود امام میں ملاحظہ فرمائیے  
 سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ تبارک و تعالیٰ و کذا لک اوحینا الیک  
 روحا من امرنا ما کنْتَ تدری ما الکتاب ولا الایمان قال خلق اللہ عز وجل  
 اعظم سن جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ یحذره و



بِسْمَةِ اللَّهِ وَهُوَ مَعَ الْأَنْفُسِ مِنْ بَعْدِهِ -

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے آپ مبارکہ و کذا لک اور حینا کی نسبت سوال کیا (یعنی یہ روح جو پیغمبر پر وحی کی گئی ہے کیا چیز ہے؟) آپ نے فرمایا کہ یہ مخلوقات الہی ہیں ایک مخلوق ہے اور جبریل و میکائیل سے اعظم ہے۔ یہ روح سوال کے ساتھ تھی جو انہیں (کل امور سے) خبردار کرتی تھی۔ انکو مستقیم رکھتی تھی اور بعد سوال اللہ وہی روح اللہ کے ساتھ ہے۔

ایضاً۔ عن اسباط ابن سالم قال سألہ رجل من اهل بیتہ وانا حاضر عن قول اللہ عز وجل وکذا لک اور حینا لک روحا من امرنا فقال منہ انزل اللہ عز وجل ذلک الروح علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ما بعد الی السماء واذہ لہ فینا۔

اسباط ابن سالم سے مروی ہے کہ انبیئت میں سے ایک شخص نے محسوم (حضرت صادق علیہ السلام یا حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام) سے قول خداوندی و کذا لک اور حینا کی نسبت سوال کیا (یعنی اب یہ روح کہاں ہے؟) آپ نے فرمایا جب سے اسے خدا نے محمد پر نازل فرمایا ہے اُس نے آسمان کی طرف صعود نہیں کیا۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ عز وجل یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی قال خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وهو مع الانفس وهو من الملکوت۔

حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آیہ یسئلونک عن الروح میں روح سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک مخلوق ہے جو جبریل و میکائیل سے عظیم تر ہے۔ وہ رسول اللہ کے ساتھ تھی اور اب وہ اللہ کے ساتھ ہے اور میں ملکوت حقیقت ملکوت ہے۔ یہ تمام احادیث ظاہر کر رہی ہیں کہ روح اعظم جس کا اور پیغمبروں سے تعلق نہ تھا۔ بلکہ یہ حقیقت محمدیہ ہے۔ اور محمد کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور یہی حقیقت اللہ میں جلوہ گر ہوئی۔ اولنا محمد و آخرنا محمد و اولنا محمد مشہور و معروف ہے۔

واضح ہو کہ اس روح کی نسبت پیغمبر سے بطریق وحی ہے جیسے کہ لفظ قرآنی "اور حینا"



سے ظاہر ہے۔ اب امام سے جو یہ روح منسوب ہوئی اس نسبت کے لئے کونسا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ اگر یہاں وہی لفظ وحی سالم رکھا جائے تو کونسا رکن دین پر باد ہو جائے گا اور کس خطاب پر ائمہ علیہم السلام وحی سے الگ کیے جا رہے ہیں۔ اور انکی نسبت لفظ وحی کا اطلاق خارج از اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ خدا جانے یہ کونسا اسلام ہے اور خود اس مصنوعی اسلام کو اسلام سے کہاں تک تعلق ہے۔

بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے کہ ائمہ علیہم السلام کو صاحب علم لدنی ماننے میں تو کسی کو انکار نہیں۔ اب دیکھئے اس علم لدنی کے حصول کے طریقے کیا ہیں اور اس کے حصول کی صورتیں کیا ہیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ إِلَّا رَحِيًا وَمِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذَنِهِ مَا يَشَاءُ۔

کسی بشر کے لئے سزاوارت نہیں ہے کہ خداوند عالم اس سے کلام کرے مگر یہ کہ یا تو وہ وحی کرتا ہے (یعنی اندر میں صورت اس کے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا) یا پس پردہ سے (اور پس صورت خدا اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہوتا ہے۔ یہ وحی کا دوسرا درجہ ہے) اور یا قاصد بھیج کر۔ پس وہ قاصد اس کی مشیت کے موافق اس کے اذن سے وحی کرتا ہے۔

مفہوم آیت ظاہر یہی ہے کہ فیوض الہیہ انہی تین طریقوں سے انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تینوں طریقے اقسام وحی میں داخل ہیں۔ بس اب یا تو ائمہ علیہم السلام سے فیوض الہیہ کے انقطاع کا دعوائے کرنا چاہیے والا سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ انہی صاحب وحی تسلیم کر لیا جائے گا۔ یقیناً اہل ایمان تو اسی پر کار بند ہونگے۔ باقی اوہام و قیاسات کا نام اگر دین رکھا گیا ہے تو یہ دوسری بات ہے۔

منکرین وحی کو چاہیے کہ اس انکار کے دلائل عقلی و نقلی پیش کریں۔ خالی یہ کہہ دینے سے کہ فلاں بات "خلاف" ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ یہ مضمون ٹھیک نہیں۔ اب اس قسم کے اقوال سے کام نہیں چلیگا۔



انکا وحی کرنا اے صاحب نے یہ بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ روح بنوئی کے لئے آیہ اوحینا الیاء سے استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ اس میں روح سے یا قرآن مراد ہے یا جبریلؑ۔ اس پر کچھ استبعادات عقلیہ بھی لکھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عوام نے تو جہاں کہیں قرآن میں روح کا لفظ دیکھا ہے وہیں بجا پرے جبریلؑ کا دامن پکڑ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ اب شیعہ بھی اسی دام میں اُچھے ہوئے ہیں۔ کیا انکو برائے نام شیعہ کہنا زیادہ ہوگا؟ استبعاد عقلیہ کی حقیقت تو اکثر ذہن کھل چکی ہے۔ اور معقولات میں جتنا کچھ پایہ ہے وہ بھی روشن ہو چکا ہے۔ لیکن ہم مختصراً اتنا کہنے پر مجبور ہیں کہ باب علوم الہی نے ایسے شخصوں کو ضال و مضل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(اصول کافی) اثنی رجل امیر المؤمنین علیہ السلام یسأل عن الروح الیس هو جبرئیل فقال له امیر المؤمنین علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام من الملائکۃ والروح غیر جبرئیل فکثر ذلک علی الرجل فقال له لقد قلت شیئاً عظیماً من القول ما احذیرکم عن الروح غیر جبرئیل فقال له امیر المؤمنین علیہ السلام انک تسأل عن قروی عن اهل الضلال یقولون ان الله عز وجل لنبیہ اثنی امر الله فلا تستجیوا له سبحانہ وتعالی عما یشرکون ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ فالروح غیر الملائکۃ۔ ایک شخص امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں آیا اور اس نے روح کی بابت سوال کیا کہ کیا وہ جبریلؑ نہیں ہے؟ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ جبریلؑ ملائکہ میں سے ہے۔ اور روح غیر جبریلؑ ہے۔ حضرت نے مکر یہی فرمایا۔ اس وقت وہ شخص کہنے لگا کہ آپ تو بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو روح کو جبریلؑ کے علاوہ کوئی اور چیز سمجھتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تو گمراہ ہے اور گمراہوں سے روایت کرتا ہے۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر سے ارشاد فرمایا کہ امر خدا آگیا۔ (ان لوگوں سے کہو کہ) تم بے عبرت بنو۔ خداوند عالم اس سے منزه ہے کہ کوئی اسکا شریک ہو۔ وہ ملائکہ کو روح کے ساتھ جو اسکا عالم امر ہے اپنے جس بندے پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے پس روح غیر ملائکہ ہے۔ اس ارشاد نے بالکل مطلع صاف کر دیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ جو لوگ روح کو جبریلؑ



سمجھ رہے ہیں وہ اہل ضلال سے روایتیں لیتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہیں۔  
یہ ایک عجیب راز ہے جو دیکھنے میں آ رہا ہے کہ جو شخص مخالفتِ ائمہ میں قلم اٹھاؤ  
ہیں اور دوستی کے پردے میں ان بزرگواروں کی دشمنی کا حق ادا کرتے ہیں انہیں ایسی  
ٹھوکر لگتی ہے کہ پھر ہزار سمجھنے پر بھی سمجھل نہیں سکتے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس روح کا قرآن میں ذکر ہے جس کی وحی پیغمبر کی طرف ہوئی۔ اسکی  
نسبت بڑے طمطراق کا دعویٰ ہے ہوا تھا کہ اس سے مراد جبریل ہیں یا قرآن۔ انکی تحقیق کی یہ  
انتہائی منزل تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کدو کاوش میں سوائے ضلالت کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور  
بابِ علوم لا تنہا یہیہ کی زبانی ضال و راوی اہل ضلال بن بیٹھے۔

نزولِ ملائکہ پر امام۔ اس زمانے کے تماشے بھی عجیب و غریب ہیں۔ امام سے وحی  
کی بھی نفی ہو رہی ہے اور نزولِ ملائکہ سے بھی انکار کیا جا رہا ہے۔

ہم اہل ایمان کے سامنے بہت اختصار سے یہ بحث پیش کرتے ہیں اور التماس کرتے ہیں  
کہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو حکم دیا ہے کہ تم دشمنِ دجہل ہمارے فضائل  
کا منکر ہو اسے بحث کرتے ہوئے سورہ انا انزلناہ کو پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ یہ سورہ مبارک  
فضائلِ محمد و آل محمد کا سعدن ہے۔ اسی سورہ کے میں یہ آیت بھی موجود ہے متزل  
الملائکۃ والروح فیہا باذن ربهم من کل امر یعنی شب قدر میں ملائکہ اور روح اپنے  
پروردگار کے اذن سے ہر امر الہی لیکر نازل ہوتے ہیں۔

اس آیت کے مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنا تو ہر ذی فہم جانتا ہے کہ ملائکہ اور روح  
شب قدر میں نازل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس  
مقام پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ ضرور ہے کہ ہر ایک نزول کے لئے کوئی منزل ہونی چاہیے  
تمنی طیبہ الرحمۃ سے صاحبِ مہمانی نقل کرتے ہیں۔

قال تنزل الملائکۃ وروح القدس علی امام الزمان ویدفعون الیہ ما قد  
کتبوا۔ یعنی ملائکہ اور روح القدس امام پر نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے  
وہ خدمتِ امام میں پیش کرتے ہیں۔



علامہ قمی کا یہ قول محض اُن کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ احادیث طاہرین میں یہ مضمون بکثرت موجود ہے۔ اسی آیت سے ائمہ پر ملائکہ اور روح کا نازل ہونا مستشرق طور سے ثابت ہے۔ جب یہ ثابت ہے تو وحی تو اس کے ساتھ ہی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ ملائکہ کا آنا بھی وحی کی ایک قسم ہے۔

واضح رہے کہ اہل ایمان کے نزدیک یہ ملائکہ امام کو تعلیم دینے نہیں آتے بلکہ اپنے کا رباً کی نسبت حکم لینے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے کہ امام قطب ماسوے اللہ ہوتا ہے۔ تمام عالم کے کاروبار اسی کے حکم کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ فرشتے اس قطب ماسوے اللہ کے خدام ہیں جنہیں شب قدر میں دربار امامت سے ہدایتیں مل جاتی ہیں۔

ملائکہ کا خدمت امام میں حاضر ہونا اس کثرت سے کتب شیعہ میں موجود ہے جس کا احصاء دشوار ہے۔ اور ملائکہ نہیں۔ ملائکہ مقربین اس دروازے کی حاضری پر فخر کرتے ہیں جبریل کو روح الامین کا خطاب روح اعظم سے ہی متوسل ہونے پر عطا ہوا ہے۔ رح۔ جمال، منشیں درمن اثر کر دے۔

خدا جانے لوگ کس خیال میں ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال میں امام کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیا شان امامت کو انہوں نے اپنے مختصر دماغ میں محصور کر لینے کا ارادہ کیا ہے۔ کتاب الہی میں دو قسم کے ائمہ کا ذکر ہے جیسے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ ایک وہ امام ہیں جو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو آتش جہنم کی طرف بلا تے ہیں۔ اس کے سوا کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ اب سوال ہے کہ ائمہ المہدیین علیہم السلام کو کونسی صنف میں داخل کیا جائیگا۔ اہل ایمان کو ضرور کہنا پڑیگا کہ یہ بزرگوار قسم میں داخل ہیں۔ یہی بادیان برحق۔ بلکہ انہی کے گھر سے کل ماسوے اللہ کو ہدایت تقسیم ہوئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر تو یہ بزرگوار حسب نص قرآنی ضرور صاحب وحی ہیں کیونکہ خداوند عالم ایسے ائمہ کی شان یہ بیان کرتا ہے۔

وجعلناهم ائمة يهدون باهرنا راوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلوة و  
ايتاء الزكاة وكانوا لنا عابدين۔



ہم نے انکو امام بنایا وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے انکی جانب امور خیریت  
واقامت نماز و ایثار و زکوٰۃ کی وحی کی۔ اور یہ ہمارے اطاعت گزار بندے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ائمہ جو ہادی اسلمہ الحق ہوتے ہیں ان کے جملہ افعال  
ما تحت وحی الہی ہوا کرتے ہیں۔ خوش فہم حضرات نے اس آیت کا تعلق بھی ائمہ اہلبیت سے  
قطع کرنا چاہا ہے۔ اور کہہ دیا ہے کہ یہ تو انبیاء بنی اسرائیل کی شان میں ہے۔ ائمہ اہلبیت  
کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ ائمہ نے اسی آیت سے اپنے فضائل پر استدلال فرمایا ہے  
جیسا کہ تفسیر برہان میں اسی آیت کے ماتحت کئی حدیثیں معصوم سے درج ہیں۔ جن سے  
معلوم ہو سکتا ہے کہ ائمہ کو اس آیت سے کیا تعلق ہے۔ اس وقت تفسیر مذکور موجود ہے  
ہے ورنہ تمام احادیث نقل کر دی جائیں۔

مشکل تو یہ ہے کہ منکرین وحی شان نزول کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ ان کے اقوال  
سے تو شان نزول کے یہ معنی مفہوم ہوتے ہیں کہ پس وہیں تک آیت محدود ہو کر رہ گئی۔  
اس سے آگے اسکا مضمون ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ منطق صحیح ہے تو بہت سے حصہ  
قرآن سے دست بردار ہونا پڑیگا۔

تتمہ بحث وحی۔ وحی کے متعلق ہمارے خیال میں جو کچھ لکھا گیا وہ بہت کافی و  
اس سے اہل ایمان سمجھ جائیں گے کہ وحی کی امام سے نفی کرنا عدم تدبیر پر مبنی ہے۔ زیادہ  
سے زیادہ اگر کہا جاسکتا ہے تو یہ کہ جن احادیث میں نفی وحی کے اشارات ہیں ان کو  
وحی تنزیلی قرآنی مراد ہے۔ نہ کہ مطلق وحی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وحی والہام  
بلحاظ حقیقت ایک ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق بلحاظ مواد ہے۔

وہ طریقے جن سے منجانب اللہ قلب امام پر علوم کا افلاضہ ہوتا ہے احادیث میں ان کا  
ذکر موجود ہے۔ ہر شب جمعہ کو روح امام عرش اعظم کا حواف کرتی ہے۔ اور پھر علم کثیر لیکر  
واپس ہوتی ہے۔ اہل نظر سوچیں کہ یہ حصول علم کس طریقہ سے ہوتا ہے اور اس طریقہ کو وحی  
سے الگ کیونکر کیا جائیگا۔

ایک صاحب اس سلسلہ حقائق و معارف کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں عقائد شیعہ پر



حلے کئے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جس مضمون میں ائمہ کے مناقب بیان کیے جائیں گے وہ آجکل کے شیعوں کے عقائد پر ایسا حملہ ہوگا جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایک ایسا زخم شیعوں کے دلوں پر لگیگا جسکا انداز کسی طرح ممکن نہیں۔ معلوم نہیں انکی غیرت ایمانی کہاں اڑ گئی۔ منقبت ائمہ میں رسالے کے رسالے شائع کرو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ ہاں ائمہ کی تعریف و توصیف کا اگر اعلان کرو تو بہت سے حشرات الارض ایسی عجیب و غریب آوازیں نکالیں گے جو صورت حمار سے بھی زیادہ مکروہ ہونگی۔ جو قوم اپنے علم و عمل سے دور جا پڑی ہو اس کا یہی حشر ہوتا ہے یہ رفتہ رفتہ سب اپنے مرکز اصلی پر پلٹتے جا رہے ہیں۔ وہ دن آئیواں ہے جب شیعوں کی طرف سے ناصبیت کا اعلان ہوگا۔ جراثیم ناصبیت تو خون میں پیوست ہو چکے ہیں مگر ابھی عصبیت آبائی روکے ہوئے ہے۔ خیر۔

اب ہم ایک دوسری بحث شروع کرتے ہیں جس سے ارباب مذاق سلیم کی ہانکیں روشن ہونگی۔ اور دشمنان امامت کے ہفوات کا اسی میں جواب آجائیگا۔  
**مظاہر الہیہ**۔ جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عام طور پر مظہر العجائب الغرائب کہا جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس لفظ کے قائل سمجھ کر نہیں کہتے۔ اگر اسی لفظ کے معنی یہ سمجھ جائیں تو پھر ان کو شان امامت میں کبھی خدشہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ خداوند عالم صورت سے میرا۔ شکل سے منزہ۔ نہ خیالات میں اسکی گنجائش نہ اوہام میں۔ نہ عقول اس کو گھیر سکتی ہیں نہ خیال اسکا احاطہ کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے بھی شان جلال و جمال کا اقتضائے حکمت ظہور ہے۔ اس نے اس عالم کو خلق فرمایا اور اپنے کمالات کا آئینہ بنایا۔ ہر چیز اس کے جمال جہاں آرا کا آئینہ ہے۔ اور ذرہ ذرہ اسکی قدرت کاملہ کا مظہر۔ یہاں تک تو بالکل سیدھا مسئلہ ہے۔ کسی کو اختلاف کرنیکا موقعہ نہیں۔ اب ہم اس بحث میں نہیں اُبھتے کہ وہ ذات جس کا ان مظاہر سے ظہور ہو رہا ہے اُسکا یہ ظہور کس حیثیت سے ہے۔ یہ مقام بیحد نازک ہے اور ذرا سی لغزش میں انسان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

جب اتنا معلوم ہو گیا کہ اشیائے عالم اس کا مظہر ہیں جسکا دوسرا نام صورت بھی ہے تو



اب اندازہ کرو کہ اشیاء باہم مختلف و متفاوت ہیں۔ کوئی اوتے سے کوئی اعلیٰ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ پس اسی تفاوت و اختلاف کی بنا پر ہر چیز جو اسکا مظہر ہوگی اپنی ہی حیثیت کے لحاظ سے ہوگی۔ ہاں اس اختلاف کا مشابہی اہل بصیرت کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے اسمائے لاتناہی کا مقتضا ہے کہ ہر ایک اسم کے لیے ایک مظہر ہونا چاہیے۔ تاکہ اس اسم کا اثر اس مظہر میں ظہور کرے۔ اور اس طرح سے اس مظہر میں ایک توحید پرست کو مسخ کی جلوہ گری نظر آئے۔

ضرورت مظہر کی مثال یہ ہے کہ حق تعالیٰ عز شانہ کے اسماء مثلاً الرحمن - الرزاق - القہار ہیں۔ تو اب جب تک خارج میں رحم و مرحوم کا وجود نہ ہوگا رحمانیت ظاہر نہ ہوگی۔ اسی طرح رزاق و مرزوق و قہار و مقہور جب تک وجود خارجی نہ رکھتے ہوئے ان اسماء کا ظہور نہ ہوگا۔ پس جس طرح خدا کے ان اسماء کے مظاہر کی ضرورت ہے اسی طرح اسم اللہ جو تمام اسماء پر حاوی ہے اور تمام اسماء اس کے ماتحت ہیں۔ وہ بھی ایک مظہر چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے یہ اسم تمام اسماء پر حاوی ہے اسی طرح اسکا مظہر بھی تمام مظاہر پر حاوی ہوگا۔ اسی کو مظہر کل اور مظہر اتم کہتے ہیں۔ یہ مظہر بلحاظ جامعیت کمالات اسی اسم جامع سے مناسبت رکھتا ہوگا۔ اور اسی مناسبت کے لحاظ سے وہ فیض الوہیت ماسوے اللہ تک پہنچائیگا۔ یہی اسکا خلیفہ ہوگا۔ اسی مظہر جامع کا نام انسان کامل ہے۔ یہی انوار الہیہ کا خزانہ ہے۔ یہی لاتناہی فیوض کا حامل ہے۔ کل وجود کا مخزن یہی ہے۔ اور تمام خزان جو دو کرم کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہی انسان کامل فوق المخلوق اور تحت الخالق ہے۔

یہی انسان کامل اور ہستی جامع کل عوالم کے کمالات پر قبضہ کیے ہوئے ہے۔ یہی مظہر ذات ہے۔ یہی مظہر صفات و اسماء ہے۔ یہی مظہر افعال ہے۔ یہی حقائق و جوہر کا جامع ہے۔ یہی حقائق امکانیہ کا مالک ہے۔ یہی مرتبہ جمع اور مرتبہ تفصیل دونوں کی شان لیے ہوئے ہے۔ اور سلسلہ وجودیہ میں جتنے مراتب ہیں سب پر یہی محیط ہے۔

اب اس مظہر اتم و جامع کے کمالات سنو۔ قال بعض العارفين فهو الحق سبحانه بمنزلة انسان العین من العین الذی بہ یكون النظر وهو المتبرعۃ بالبصر الذی یبصر بہ الشئ



و یونس و لھذا اسمی انسانا فبالانسان نظر الحق الی خلقه فرحمهم ومن عزینہ او وصل  
الوجود۔ والفیض الیہم فھو الحادث الاذی والنشاء الدائم الا بدی کما ورد فی  
الحديث النبوی نحن الآخرون السابقون۔

یہ منظر اتم خداوند عین و غلام کے لیے بمنزلہ عین ہوتا ہے وہ عین چشم، جس سے نظر  
ڈالی جاتی ہے اسی کو بصر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ بصر جس سے کوئی شے دیکھی جاتی ہے  
اسی کے سبب سے خدا سے انس پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کو انسان کہا گیا ہے۔ اسی  
انسان کے سبب سے خدا نے اپنی مخلوق پر رحمت کی نظر ڈالی اور اسی کی شرافت کا کامل کمال  
کرتے ہوئے مخلوق کو خلعت وجود عطا ہوا۔ اور فیض الہی ان تک پہنچا۔ یہ انسان حادث  
ہے۔ مگر حادث ازلی۔ یہ وہ مخلوق جامع کمالات ہے جو دائم اور ابدی ہے۔ جیسا کہ حدیث  
نبوی میں وارد ہوا ہے۔ ہم وہ آخر ہیں جو سب سے سبقت لئے ہوئے ہیں۔ یعنی اول بھی  
ہم ہیں اور آخر بھی ہم۔ جیسا کہ دیگر احادیث میں آیا ہے نحن الاولون ونحن الآخرون۔

یہ منظر اتم اور انسان کامل جس پر حدوث کی نظر ازلیت کے پہلوئے ہوئے  
تدبیر عالم پڑ رہی ہے۔ اس عالم کی روح یہی ہے اور تمام عالم اس کے لیے ایک جسم ہے  
جس طرح روح اپنے تصرفات بدن انسانی میں کر رہی ہے اسی طرح یہ روح اعظم تمام ماسوے اللہ  
پر متصرف ہے۔ یوں سمجھو کہ تجلیات حق سبحانہ تعالیٰ کی ترپتی ہوئی بجلیاں انسان کامل کے  
آئینہ قلب پر وارد ہوتی ہیں اور ان انوار کا عکس تمام عالم پر گرتا ہے اور اس طرح تمام عالم  
کی تدبیر اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسی کے دم سے عالم کا وجود ہے۔ اور اسی کی برکت  
سے زمانے کی مشین حرکت کر رہی ہے۔ اسی کو ولایت حقیقی کہتے ہیں۔ اور یہ تدبیر عالم اسی  
تدبیر و تصرف کو جب ہم جیسے نابینا لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے تو ہم اسے معجزہ کہتے ہیں یہی  
مدبر عالم برزخ کبرے ہے درمیان دریائے وجوب و بکرا مکان۔ مرج البحرین یا متقیان بینہما  
برزخ لا یغیان۔ قال مولانا الصادق علیہ السلام نحن صنائع اللہ والشیان بعد صنائع  
لنا۔ ہم خدا کی صنعتیں ہیں اور ہمارے بعد باقی مخلوق ہمارے لیے صنعت ہے۔ پس مخلوق  
جس قدر فیض پہنچتا ہے اسی چشمہ کمال سے پہنچتا ہے۔ اسی لیے اس چشمہ کمال کا انکار کرنا



کفر محض ہے۔ یہی و دراز ہے جو تمام انبیاء و اوصیاء پر ظاہر کیا گیا۔ سب سے اسکا اقرار لیا گیا۔  
تمام مخلوق پر ان کی ولایت عرض کی گئی۔ من انکر خاب۔ جس جس نے انکار کیا وہ خائب و  
خاسر ہوا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقصان میں مبتلا ہوا۔

یہی راز تربیت ہے جسے حدیث قدسی میں ظاہر فرمایا گیا۔ یا محمد بعثت علیا مع الانبیاء  
باطناً و معک ظاهراً۔ اے پیغمبر! میں نے علیؑ کو تمام انبیاء کے ہمراہ باطنی طور پر مبعوث کیا اور  
تیرے ساتھ ظاہر بنایا۔ گویا امر رسالت انبیاء سے ماسلف کی تدبیر علیؑ کے ہاتھوں سے ہوئی۔  
جو کچھ فیض انکو پہنچا علیؑ ہی کے وسیلے سے پہنچا۔

یہ منظر جامع یہ مدبر عالم۔ یہ انسان کامل۔ اول بھی ہے۔ آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے۔ باطن  
بھی۔ مناسب ہے کہ اسکے مقامات نورانیہ کا بیان اسی کی زبان سے سینے۔

فی حدیث سلمان و ابی ذر۔ یا سلمان لا یكمل المؤمن ایمانہ حتی یعرفنی بالتورائیۃ  
و اذا عرفنی بذلک فهو مومن امتحن الله قلبه للايمان و شرح صدره الاسلام و صار عارفاً  
بدينه مستبصراً و من قصر عن ذلك فهو شك مرتاب یا سلمان یا جندب ان معرفتی  
بالتورائیۃ معرفة الله معرفة الله معرفتی و هو الدین الخالص ثم قال یا سلمان  
و یا جندب ان الله جعلني امينه على خلقه و خليفته في ارضه و بلادہ و عبادہ و اعطاني  
ما لم يصفه الاصفون و لا يعرفه العارفون فاذا عرفتموني هكذا فانتم مؤمنون ثم قال  
یا سلمان نحن سر الله الذي لا يخفى و نوره الذي لا يطفى و نعمته التي لا تجزى اولنا  
محمد و اوسطنا محمد و اخرنا محمد و كلنا محمد فمن عرفنا فقد استكمل الدين انتم ثم قال  
بعد كلام طويل یا سلمان بنا مشرف كل مبعوث فلا تدعونا ارباباً و قولوا فينا ما شئتم  
ففينا هلك من هلك و بنا نجاة من نجى یا سلمان من امن بما قلت و شرحت فهو مومن  
امتن الله قلبه للايمان و رضی الله عنه و من شك و ارتاب فهو ناصب و ان ادعى و لا یتق  
فهو كاذب یا سلمان انا و اهل بيته سر الله المكنون و اوليائه المقربون كلنا  
واحد و اخرنا واحد و سرنا واحد فلا تقربوا فينا فتهاكوا فاننا نظهر في كل زمان لما شاء الرحمن  
فالويل لكل الويل لمن انكر ولا ينكره الا اهل النباوة و من ختم على قلبه و سمعه و جعل على بصره غشاوة۔



(ترجمہ) اے سلمان! مومن کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مجھے نورانیت کے ساتھ نہ پہچانے۔ اور جب اُس نے نورانیت کے ساتھ مجھے پہچان لیا تو وہ مومن ہے جس کے قلب کا خدا نے ایمان کے ساتھ امتحان لے لیا اور اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا۔ وہ اپنے دین میں عارف اور متبصر ہو گیا۔ اور جو شخص اس سے قاصر رہا وہ شک کرنے والا ہے۔ اور شہادت شیطانیہ میں گرفتار۔ اے سلمان! اے جذب! نورانیت کے ساتھ میری معرفت خدا کی معرفت ہے اور خدا کی معرفت میری معرفت۔ یہی دین خالص ہے۔ پھر فرمایا اے سلمان! اے جذب! خداوند عالم نے مجھے اپنی خلق کا امین قرار دیا ہے۔ اپنی زمین میں اپنے شہروں میں۔ اپنے بندوں پر اپنا خلیفہ گردانا ہے۔ مجھے وہ چیزیں خدا نے عطا کی ہیں جن کا وصف کرنے والے وصف نہیں کر سکتے۔ نہ عارفین انہیں جان سکتے ہیں۔ پس جب تم نے اس طرح مجھے پہچانا اس وقت تم مومن ہو۔ پھر فرمایا اے سلمان! ہم خدا کا بھید ہیں جو چھپایا نہیں جاسکتا۔ ہم خدا کا نور ہیں جو بکھایا نہیں جاسکتا۔ ہم وہ خدا کی نعمت ہیں جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اول بھی محمد ہے۔ آخر بھی محمد ہے اور اوسط بھی محمد ہے جس نے اس طرح ہمیں پہچانا اُس نے اپنا دین قیم کامل کر لیا۔ پھر ایک کلام طویل کے بعد فرمایا۔ اے سلمان! ہر بخیر نے ہمارے ہی سبب سے شرف حاصل کیا ہے۔ تم ہیں خدا نہ کہو اور پھر ہمارے بارے میں جو چاہو کہو جو ہلاک ہوا ہے ہمارے ہی بارے میں ہلاک ہوا ہے۔ اور جس نے نجات پائی ہے ہمارے ہی سبب سے پائی ہے۔ اے سلمان! جو کچھ میں نے کہا اور شرح کی جو شخص اس پر ایمان لے آیا وہ مومن ہے۔ جس کے قلب کا امتحان خدا نے ایمان کے ساتھ لے لیا۔ خدا اس سے راضی ہو گیا اور جس نے شک و شبہات کو دخل دیا وہ ناصبی ہے۔ اگرچہ ہماری ولایت کا دعویٰ کرے۔ وہ بیشک جھوٹا ہے۔ اے سلمان! میں اور وہ ہادی جو میرا ولیت سے ہیں ہم خدا کے سرکنون ہیں۔ اس کے اولیائے مقرب ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا امر ایک ہے۔ ہمارا ستر ایک ہے۔ ہم میں تفرقہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہم ہر زمانے میں حسب مشیت رحمانی ظاہر ہونگے۔ ویل اور بالکل ویل ہے اُس شخص کے لئے جو اس قول کا انکار کرے۔ اور کوئی شخص اسکا انکار نہیں کرتا۔ مگر وہی جو غبی و احمق ہے۔ جس کے قلب پر۔



کانوں پر مہر لگی ہوئی ہے جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

صاحبان عقل پر روشن ہے کہ منظر جامع و اتم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ جتنے کمالات ذات احدیت میں مانے جائیں گے ان سب کا ظہور اسی ذات مقدس سے ہوگا۔ فی الحقیقت یہی خلافت حقہ الہیہ ہے۔ خدا کی جانشینی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا انا مدینۃ العلم وعلیٰ بابہا۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔ جتنے کمالات ذات احدی میں ہیں وہ سب کے سب ذات علیؑ سے ظاہر ہوئے۔ بلکہ ہر امام کی یہی شان ہے بحقیقت واحد ہے کہ جس کا طلوع مرایائے مختلفہ سے ہو رہا ہے فی الحقیقت نور لیشرق من صبح الازل فیلوح علیٰ ہیاکل لتوحید اثارہ۔ حقیقت ایک نور ہے جو صبح اول سے چمکا اور توحید کے مجسموں پر اس کے آثار روشن و لائح ہو گئے۔ اسی منظریت کے اعتبار سے انکو یہ اللہ کہا جاتا ہے۔ جب اللہ کہا جاتا ہو۔ نفس اللہ کہا جاتا ہے۔ روح اللہ کہا جاتا ہے۔

قال العارف کامل المحقق الطوسی العارف اذا انقطع عن نفسه وانفصل بالحق رأی کل قدرة مستغرقة فی قدرته المتعلقة بجميع المقدورات وکل علم مستغرق فی علمه الذی لا یعرب عنه شیء من الموجودات وکل ارادة مستغرقة لا یتالیٰ عنده شیء من الممكنات بل کل وجود وکل کمال وجود فهو صادر عنه فائض من لدته فصار الحق حقیقۃ بصرہ الذی بہ یبصر وسمعه الذی بہ یسمع و قدرته الذی بها یفعل و علمه الذی بہ یعلم و وجودہ الذی بہ یوجد فصار العارف حقیقۃ متخلقا باخلاق اللہ بالحقیقة۔

عارف کامل محقق طوسی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ عارف اپنی انانیت کو قطع کر دیتا ہے اور حق سے متصل ہو جاتا ہے تو ہر ایک قدرت کو اسی کی قدرت میں غرق پاتا ہے جس کا تعلق تمامی مقدورات سے ہے۔ اور ہر ایک علم کو اسی کے علم میں مستغرق دیکھتا ہے۔ ایسا علم جس سے موجودات میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور کل ارادوں کو اسی کے ارادے میں فنا پاتا ہے جس سے ممکنات میں سے کوئی شے باہر نہیں ہو سکتی بلکہ ہر ایک وجود اور ہر ایک وجود کا کمال اسی سے صادر ہوا ہے یہ فیض اسی کی جانب سے پہنچا ہے۔ اس حالت میں حق سبحانہ تعالیٰ اس کے لئے وہ بصر منجنا ہے جس سے دیکھ سکتا ہے وہ سماعت منجنا ہے جس سے سنا جاسکے۔ وہ قدرت ہو جاتا ہے کہ جو کرتا ہے اسی قدرت کے ساتھ کرتا ہو۔



اور وہ علم نبھاتا ہے جس کے سبب سے تمام اشیاء معلوم ہوتی ہیں۔ وہ وجود نبھاتا ہے جس کے سبب سے سارے وجود ہیں۔ اس وقت عارف حقیقی طور پر صفات خداوندی سے آراستہ ہو جاتا ہے۔

محقق علیہ الرحمہ کی یہ مستحکم و مضبوط رائے ہر ایک عارف کے لئے ہے۔ اب وہ ذوات مقدسہ جو خود سرچشمہ معرفت ہیں جن سے تمام دنیا نے معرفت کا راز سیکھا جن سے تمام عوالم نے معرفت کی تعلیم پائی جن کے سبب سے خدا پہچانا گیا جن کے سبب سے خدا کی عبادت کی گئی۔ عرف اللہ بنا۔ عبد اللہ بنا۔ ان بزرگواروں کے متعلق کسی قسم کی لب کشائی اپنی عقول ناقصہ کی بنا پر کرنا کہاں تک عقل و دینیت کے قریب ہے۔

قال بعض العارفين - اذا تجلّى الله سبحانه بذاته لاحد يرى كل الذات والصفات والافعال متلاشية في اشعة ذاته وصفاته وافعاله ويجيد نفسه مع جميع المخلوقات كأنها مدبرة لها وهي اعضاؤها ويرى ذاته الذات الواحدة وعفة صفاتها وفعالها لا منهلاكه بالكلية في عين التوحيد وليس للانسان وراء هذه الرتبة مقام في التوحيد ولما انجذبت بصيرة الروح الى مشاهدة جمال الذات استتر نور العقل الفارق بين الاشياء في غلبة نور الذات القدیمة وارتفع التمييز بين القدم والحدوث لذهور الباطل عند محي الحق وسمي هذه الحالات جمعا ولصاحب الجمع ان يصيغ الى نفسه كل اثر ظهر في الوجود كل صفة وفعل واسم لا انحصار الكل عنده في ذات واحدة فتارة يسبح في حال هذا وتارة عن حال ذاك۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جب خداوند عالم کسی شخص کے لئے بذاتہ تجلی فرماتا ہے تو وہ شخص اپنی ذات و صفات و افعال کو بالکل اسی کی ذات و صفات و افعال کی شعاعوں میں متلاشی و پراگندہ دیکھتا ہے اور تمام مخلوقات کے لئے اپنے نفس کو مدبر سمجھتا ہے اور مخلوقات کو اپنے اعضاء۔ ذات خدا کو اپنی ذات اور اسکی صفت کو اپنے نفس کی صفات اور اس کے فعل کو اپنا فعل خیال کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بالکل چشمہ توحید میں فنا اور غرق ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے لئے مقام توحید میں اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔ اور جس وقت کہ بصیرت روح مشاہدہ جمال ذات میں جذب ہو جاتی ہے تو نور ذات قدیم کے غلبے میں نور عقل پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ حق کی آمد سے باطل دفع ہوتا ہے اور قدوم وحدوث کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اسی حالت کو حالت جمع کہتے ہیں۔ اور اس حالت کے مالک کو



سزاوار ہے کہ ہر ایک صفت کو۔ ہر فعل کو۔ ہر اسم کو اور ہر ایک اثر کو جو وجود میں ظاہر ہو رہا ہے  
لپٹنے نفس کی طرف نسبت دے لے۔ اس لئے کہ اسکے نزدیک کل کا انحصار ذات واحد میں ہے پس کبھی  
اس کے حال کی حکایت کرتا ہے اور کبھی اُس کے حال کی۔

اس عارف کی یہ سطور بھی غالباً ہر اُس عارف سے متعلق ہونگی جو پیروی شریعت غرّ اور طریقت  
ظاہرہ و حقیقت باہرہ کی بنا پر یہ مقام حاصل کر لے۔ پس اب ان بزرگواروں کے مقام توحید کیونکر  
لفظوں میں آسکیں گے جو خود حقیقت شریعت ہوں اور حقائق عوالم انہی کی طرف رجوع کر رہے ہوں۔  
فقال يا سلمان انا ابو كل مؤمن ومؤمنة يا سلمان انا الطامة الكبرى انا الازفة اذا  
اذقت انا الحاقة انا القارعة انا الغاشية انا الصاخة انا الممعة النازلة ونحن الايات  
والدالات والحجب انا وجه الله انا الذي كتب اسمي على العرش فاستقرت وعلى السموات  
فقامت وعلى الارض فاستقرت وعلى الجبال فرست وعلى الريح فذرت وعلى البرق  
فلمع وعلى الدرق فتمع وعلى النور فسطع وعلى السحاب فدمع وعلى الرعد فخشع وعلى الليل  
فدجج فاطلم وعلى النهار فانار وتبسم۔

اے سلمان! میں ہر ایک مؤمن و مومنہ کا باپ ہوں۔ اے سلمان میں تامة کبرے (بہت بڑا کردینے  
والا) ہوں۔ میں بہت ہی قریب نیوالا ہوں میں سب گھیر لینے والا ہوں میں لوں پر قرب لگانے والا ہوں میں سب کو ہر اکردینے والا  
ہوں۔ میں بلائے نازل ہوں۔ ہم خدا کی آیات ہیں۔ اُس کی دیلیں ہیں۔ ہم حجاب ہیں۔ میں وجہ اللہ ہوں۔  
میں وہ ہوں جس کا نام عرش پر لکھا گیا تو وہ کھٹیرا آسمانوں پر لکھا گیا تو وہ قائم ہوئے۔ زمین پر لکھا گیا تو  
اُس نے قرار پکڑا۔ پہاڑوں پر لکھا گیا تو وہ بلند ہوئے۔ ہوا پر لکھا گیا تو وہ اڑانے لگی۔ بجلی پر لکھا گیا تو وہ چمکی۔  
بارش کے قطروں پر لکھا گیا تو وہ جاری ہوئے۔ نور پر لکھا گیا تو وہ روشن ہوا۔ بادلوں پر لکھا گیا تو اس  
نے آنسو بہائے (بارش ہوئی) رعد پر لکھا گیا تو اس نے خضوع و خشوع کی صدا بلند کی۔ رات پر لکھا گیا تو  
وہ تاریک اور مظلم ہوئی۔ دن پر لکھا گیا تو وہ چمک اٹھا اور اُس نے تبسم کیا۔

اس تفصیل کا اشارہ یہ ہے کہ تمام حقائق کی جامع ذات مرتضوی ہے۔ اشیائے عالم اسی  
میں مندرج و مندرج ہیں اور وہی ایسی کتاب جامع ہے جو تمامی اسرار کائنات کی جامع ہے۔

قال في خطبة التطهية ولقد علمت من عجائب خلق الله ما لا يعلمه الا الله وعرفت



ماکان وما یكون وما کان فی الذرا الاول مع من تقدم مع آدم الاول ولقد کشف لی فحرفت  
وعلمنی ربی فتعلمت الا ففوا ولا تفجروا ولا تجورا فلو لا خوفی علیکم ان تقولوا نحن وارتد لاخبرکم  
بما کانوا وما انتم فیہ وما تلقونه یوم القیامة او عزائی فعلت ولقد ستر علمہ عن جمیع  
النبيين الا صاحب شریعتکم هذه صلوات اللہ علیہ والہ فعلنی علمہ وعلمتہ علی۔

میں مخلوق الہی کے عجائبات کا عالم ہوں جسے سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ میں ماکان و  
ما یكون کا عارف ہوں۔ میں پہچانتا ہوں جو کچھ کہ ابتدائے خلقت کا حال گزرا اس شخص کے ساتھ  
جس نے آدم اول پر تقدم کیا۔ یہ سب چیزیں میرے لئے کھول دی گئیں۔ پس میں عارف ہو گیا۔ میرے  
رب نے مجھے تعلیم دی اور میں نے تعلیم حاصل کی۔ تم بچوں کے بل نہ بیٹھو۔ خوف سے چپخس نہ مارو۔ مضطرب  
نہ ہو۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ ابھی کہہ اُٹھو گے کہ یہ کہنے والا مجنون ہو گیا ہے اور  
اس نے ارتداد کیا ہے تو بیشک میں تم کو خبر دیتا کہ وہ کس حال میں تھے اور اب تم کس حال میں ہو۔  
اور روز قیامت تم کس شے سے ملاقی ہو گے۔ یہ علوم خدا نے مجھ سے منسوب کیے ہیں انکا عالم ہو گیا  
اور بیشک یہ علم تمام انبیاء سے پوشیدہ رکھا گیا سوائے تمہارے صاحب شریعت کے اس پر اور  
اُس کی آل پر خدا کی طرف سے صلوات ہو۔ اس (صاحب شریعت) نے مجھے اپنے علم کی تعلیم دی اور  
میں نے انہیں اپنا علم سکھایا۔ (وحدت نورانیہ کی طرف اشارہ ہے)۔

ثم قال لقد علمت ما فوق الفردوس الاعلی وما تحت السابعة السفلی وما فی السموات  
العلی وما بینہما وما تحت الثری کل ذلك علم احاطہ لا علم اخبار اقسام بریتہ العشر العظیمہ  
لو شئت اخبرکم بابائکم واسلافکم این کانوا ومن کانوا وابن ہم الان۔ وما صاروا الیہ  
فکم من اکل لحم اخیہ وشارب براس اخیہ وھولیتاۃ ویرتجیہ قال لو کشف لکم ما کان  
منی فی القدیم الاول وما یكون متی فی الآخر اس عظیم عجائب مستعظیات وامور مستعجبات  
وصنائع واحاطات انا صاحب المخلق الاول قبل نوح الاول ولی علمتم ما کان فی بنی آدم  
ونوح من عجائب اصطنعہا واهم اھلکتہا حق علیہم القول فبئس ما کانوا یفعلون انا صاحب  
الطوفان الاول انا صاحب طوفان الثانی انا صاحب سمیل لعمر انا صاحب الاسرار المکنونات  
انا صاحب عادی والجنات انا صاحب الثمود والایات انا مدبرھا انا منزلھا انا مرہفھا انا



محلکھا انا مدبرھا انا باینها انا واصیھا انا صیبتها انا صیبھا انا الاوّل انا الآخر انا الباطن  
اذا الظاهر انا مع الکود قبل الکود انا مع الدّور قبل الدّور انا مع القلم قبل القلم انا مع  
الروح قبل اللّوح انا صاحب الاذلیة الاولیة انا صاحب جالبقا وجابر سا انا صاحب الرّفرف  
وبهرم انا مدبر العالم الاوّل حین لا سمّا تکر ولا غیرا تکر ثمّ قال بعد کلام فی الاخبار بالوقائع  
الایّتیة والحوادث المغیبة الا وکمر عجائب ترکبها ودلائل کتمتها لا اجله حلتہ ثمّ قال بعد  
کلام طویل عن هذا القبیل کافی بالمتناقضین یقولون نصّ علیّ علیّ نفسه بالربانیة الا فاشهد  
شهادة استأثر بها عند الحاجة الیها ان علیّاً نور مخلوق وعبدٌ سرّ ذوق ومن قال غیر هذا  
فعلیه لعنة الله ولعنة اللاعنین۔

پھر فرمایا کہ میں فردوس اعلیٰ کے اور پر کیا چیز ہے اسے جانتا ہوں اور ساتویں طبقے کے نیچے  
کیا ہے اس سے واقف ہوں۔ جو کچھ بلند آسمانوں میں ہے اُس کا عالم ہوں۔ تختِ الشّریعہ کے حالات  
سے خبردار ہوں۔ ان تمام چیزوں کے متعلق مجھے علمِ احاطی حاصل ہے نہ کہ علمِ اخباری (جو کسی کے  
خبر دینے اور اکتساب سے حاصل ہوتا ہے) میں عرشِ عظیم کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں  
چاہوں تو تمہیں تمہارے آیا و اجداد کے متعلق خبر دوں کہ وہ کہاں تھے اور کس شخص کی طرف سے تھے۔  
اب وہ کہاں ہیں اور کس چیز کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے بھائی کا  
گوشت کھا رہے ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو اپنے بھائی کی شرافت (یا اسکی جمع کردہ دولت) کو  
پیتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کا مشتاق ہے اور اس کی امید کر رہا ہے کہ اس میں سے اسکے لڑے  
کچھ کار خیر کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ قدامتِ اولین میں جو کچھ مجھ سے ظاہر ہوا اور آخر میں جو کچھ ظاہر ہوگا اگر وہ تم پر  
کھوار یا جاتا تو البتہ تم زبردست عجائبات دیکھتے۔ تعجب خیز امور کا ملاحظہ کرتے۔ بڑی بڑی صنعتیں  
تمہاری نظر سے گزرتیں اور تم دیکھتے کہ مجھے انپر کس طرح احاطہ حاصل ہے۔ میں نوحِ اوّل سے پہلے  
صاحبِ خلقِ اوّل ہوں۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ آدم اور نوح کی اولاد میں میں نے کیا کیا  
صنعتیں ظاہر کی ہیں۔ اُن امتوں کے حالات سے واقف ہوتے جنہیں میں نے ہلاک کیا ہے جنہیں  
عذاب واجب ہو گیا تھا۔ وہ بہت ہی بُرے اعمال کرتے تھے۔ میں صاحبِ طوفانِ اوّل ہوں میں



صاحب طوفان ثمانی ہوں۔ میں صاحب سیل عزم ہوں (جس نے یمن کی بستیوں کو بہا دیا تھا) میں  
 امیر مکنونہ کا مالک ہوں۔ میں عدا و اور ان کے باغات کا صاحب ہوں۔ میں نمود اور جو آیات  
 ان پر ظاہر ہوئیں ان کا مالک ہوں۔ میں ان کا برباد کرنے والا ہوں۔ میں انکو متزلزل کر دینے والا  
 اور ان کو ہلا دینے والا ہوں۔ میں انہیں ہلاک کر نیو والا ہوں۔ میں انکی تدبیر کرنے والا ہوں۔ میں  
 ان کا بانی ہوں۔ میں ان کا بچھانیو والا ہوں۔ میں ان کا مارنے والا اور میں انکا جلانے والا ہوں۔ میں  
 اول ہوں۔ میں آخر ہوں۔ میں ظاہر ہوں۔ میں باطن ہوں۔ میں لپیٹا دینے کے ساتھ ہوں۔ لپیٹ دینے  
 سے پہلے میں گردش کے ساتھ ہوں۔ گردش سے پہلے میں قلم کے ساتھ ہوں۔ قلم سے پیشتر میں لوح کے  
 ساتھ ہوں۔ لوح سے قبل میں صاحب ازل اول ہوں۔ میں صاحب جابلقا و جابرنا ہوں۔ میں  
 صاحب رفوف و صاحب رنگ سرخ ہوں۔ میں عالم اول کا مدبر ہوں جبکہ نہ تمہارا یہ آسمان تھا اور  
 نہ تمہاری یہ زمین۔

پھر آپ نے واقعات آئندہ اور حوادث غیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد کیا آگاہ ہو جاؤ کہ میں  
 نے بہت سے عجائبات کا ذکر چھوڑ دیا۔ بہت سے دلائل چھپا لئے۔ اس لئے کہ کوئی انکا حال نہیں ملتا۔  
 پھر ایک کلام طویل کے بعد فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ منافقین کہہ رہے ہیں کہ علیؑ اپنے لئے  
 ربوبیت مطلقہ کا دعوائے کر رہا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اور گواہ رہو۔ تم سے وقت ضرورت یہ گواہی لی جائیگی  
 کہ بیشک علیؑ نور مخلوق ہے۔ بندہ ہے جو خدا سے رزق پاتا ہے۔ جو کوئی اس کے سوا کہے تو اس پر  
 خدا کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔

قبل اس کے کہ نتیجہ کلام ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر اور  
 بھی حضرت امیر المومنینؑ کے ارشادات حقائق آفرین ذکر کیے جائیں جن کے دیکھنے اور پڑھنے سے یقیناً  
 نوریان کی زیادتی تصور ہے۔

قال عليه السلام في بعض خطبه - انا عندى مقاتيح الغيب لا يعلمها بعد رسول الله الا انا  
 انا ذو القرنين المذكور في الصحيح الاول انا صاحب خاتم سليمان انا ولي الحساب انا صاحب القصر  
 والموقف انا قاسم الجنة والنار انا ادم الاول انا نوح الاول انا اية الجبار انا حقيقة الاسرار

۱۲ ایک بند یا ایک وادی کا نام ہے۔ اور سیل عزم اسے بھی کہتے ہیں جس کے دفعیہ کی طاقت ۱۲



انا مَوْقِ الاَشْجَارِ انا مَوْعِ الاَشْجَارِ انا مَفْجِرُ الْعِیُونِ انا مَجْرِی الْاَنْهَارِ انا خازِنُ الْعِلْمِ انا طُورُ الْحِمْ  
 انا امیر المؤمنین انا عین البقین انا حُجَّةُ اللَّهِ فی السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ انا الرَّاحِفَةُ انا الصَّاعِقَةُ  
 انا الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ انا السَّاعَةُ لِمَنْ كَذَبَ بِهَا انا ذَلِكُ الْكِتَابِ لَا رِیْبَ فِیْهِ انا الْاَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّتِی  
 امرُ اللَّهِ انْ یَدْعَیْ بِهَا انا ذَلِكُ النُّورِ الَّذِی اَقْتَسَمَ مُوسٰی مِنْهُ الْهُدٰی انا صَاحِبُ الصُّورِ انا  
 مُخْرِجُ مَنْ فِی الْقُبُورِ انا صَاحِبُ یَوْمِ النُّشُورِ انا صَاحِبُ نُوحٍ وَنُجِیِّهِ انا صَاحِبُ اِیُّوبَ الْمُبْتَلٰی مُشَافِیهِ  
 انا اَقَمْتُ السَّمَوَاتِ بِاَمْرِ رَبِّی انا صَاحِبُ اِبْرَاهِیْمَ انا سِرُّ الْكَلِیْمِ انا الْتَّائِظُ فِی الْمَلَكُوتِ انا اَمْرُ  
 الْحَقِّ الَّذِی لَا یَمُوتُ انا وَلِیُّ الْحَقِّ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ انا الَّذِی لَا یَبْدُلُ الْقَوْلَ لَدِیَّ وَحِسَابُ  
 الْخَلْقِ اِلَیَّ انا الْمَفُوضُ اِلَیَّ اَمْرِ الْخَلْقِ انا خَلِیْفَةُ الْاِلَهِ الْخَالِقِ۔

(ترجمہ) میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں بعد رسول اللہ سوائے میرے اور  
 کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں جس کا صحف اوسلے میں ذکر ہے۔ میں خاتم سلیمان کا  
 مالک ہوں۔ میں حساب کا مالک ہوں۔ میں صراط اور میدان حشر کا مالک ہوں۔ میں جنت و نار کا تقسیم  
 کرنے والا ہوں۔ میں آدم اول ہوں۔ میں نوح اول ہوں۔ میں جبار کی نشانی ہوں۔ میں اسرار کی  
 حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس عطا کرنے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پختہ کرنے والا ہوں۔  
 میں چشموں کا نکالنے والا ہوں۔ میں نہروں کا جاری کرنے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ دار ہوں۔ میں حلم  
 کا پہاڑ ہوں۔ میں امیر المؤمنین ہوں۔ میں سرچشمہ یقین ہوں۔ میں زمین و آسمان میں خدا کی حجت ہوں  
 میں متزلزل کردینے والا ہوں میں صاعقہ ہوں میں حقانی آواز ہوں۔ میں قیامت ہوں اُسکے لیے  
 جو قیامت کی تکذیب کرے۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ میں وہ اسمائے حسنیٰ  
 ہوں جن کے وسیلے سے خدا نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (دواضح ہو اس جملہ میں حضرت نے اپنی ذات  
 خاص کو اسمائے حسنیٰ سے تعبیر کیا ہے جس سے بآسانی یہ مطلب اخذ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ذات بابرکات  
 کل اسمائے حسنیٰ کا منظر ہے۔ گویا یہ ایک آئینہ ہے جس میں تمام صفات کمالیہ کے نقش و نگار جلوہ گر  
 ہیں) میں وہ نور ہوں جس سے مومن نے ہدایت کو اقتباس کیا۔ میں صور کا مالک ہوں۔ میں قبروں میں سے  
 نکالنے والا ہوں۔ میں یوم النشور کا مالک ہوں۔ میں نوح کا صاحب اور اُسکا نجات دہندہ ہوں میں ایوب  
 بلارسیدہ کا صاحب اور اُسکو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا



میں صاحب ابراہیم ہوں۔ میں کلیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت (مخلوق اشیاء) کو دیکھنے والا ہوں۔ میں اس حق کا امر ہوں جسے موت نہیں (اور حی کا امر بھی حی ہوتا ہے) میں تمام مخلوق پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میرے سامنے بات نہیں بدلی جاسکتی۔ مخلوق کا حساب میری طرف ہے (میں حساب لینے والا ہوں) میں وہ ہوں جسے امر مخلوق تفویض کیا گیا ہے۔ میں خلیفۃ اللہ الخالق ہوں۔

آخری جملوں میں لفظ تفویض اُن لوگوں کو چکنا کر لگا جنہوں نے اپنے قیاسات و اوہام کا نام ایمان رکھا ہے۔ مگر ارباب بصیرت کے لئے اس میں قطعاً کوئی بیچینی کی بات نہیں ہے۔ لفظ تفویض احادیث میں ائمہ کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ بیشک اس تفویض کی حدیں یہودیت سے جا کر لمبا نیکی اگر اس تفویض سے خدا کو عضو معطل تصور کر لیا جائے۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ کل امور خلائق ائمہ کو سونپ کر اب خدا بیکار ہو بیٹھا اور اُسے اب کوئی اختیار نہیں رہا۔ تو ایسا عقیدہ اسلام سے الگ کر دینے والا ہے۔ لیکن اگر تفویض کے یہ معنی نہ لئے جائیں اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ امور خلائق کا اجرا انہی کے ہاتھ سے ہوتا ہے اور یہ بزرگوار تحت مشیت ایزدی امور خلائق میں تصرف ہیں تو ایسا عقیدہ عین ایمان ہے بلکہ روح دیانت ہے۔ اور انہی معنی میں یہ لفظ احادیث میں ائمہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

اناسر اللہ فی بلادہ و حجۃ علی عبادہ انا امر اللہ والروح کما قال سبحانہ و لیسلونک عن الروح قل الروح من امر ربی انا ارسیت الجبال الشامخات وفجرت العیون المجاریا انا غارس الا شجار و مخرج الوان الثمار انا مقدّر الاوقات انا منشر الا موات انا منزل القطر انا منور الشمس والقمر والنجوم انا قیما القیامۃ انا مقیم الساعۃ انا الواجب لہ من اللہ الطاعۃ انا حی الاموات و انا میت لم امت اناسر اللہ المنزورون انا العالم بما کان وما یكون انا صلوة المؤمنین وصیائہم انا مولاہم و اماہم انا صاحب النشرا الاول والاخر انا صاحب المناقب والمفاخر انا صاحب الکواکب انا عذاب اللہ الواجب انا مہلک الجبابرة الاول انا منزیل النور انا صاحب الزلازل والرجف انا صاحب الکسوف والخسوف انا مدق الفراعۃ یعنی ہذا انا الذی اقامنی اللہ فی الاطلۃ و مدعاهم الی طاعتی فلما ظہرت انکروا فقال سبحانہ فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ انا نور الانوار انا حامل العرش



مع الابرار انا صاحب الكتب السالفة انا باب الله الذي لا يقع لمن كذب به ولا يذوق الجنة  
 انا الذي تزدحم الملائكة على فراشي ويعرفني عبادا قاليم الدنيا انا الذي ردت لي الشمس  
 مرتين وسلمت علي كرتين وصليت مع رسول الله القبلتين وبايعت البيعتين انا صاحب  
 بدر وحنين انا الطور انا الكتاب المسطور انا البحر المسجور انا البيت المعمور انا الذي  
 دعى الله الخلائق الى طاعتي فكفرت امّة واصرت ومسلخت واجابت امّة فنجت بي و  
 ازلقت وانا الذي بيده مفاتيح الجنان ومقاييد النيران انا مع رسول الله في الارض وفي  
 السماء انا المسيح حيث لا روح تحرك ولا نفس تتنفس غيري انا صاحب قرون الاولى  
 انا الصامت ومحمد الناطق انا جاوزت بموسى في البحر واغرقت فرعون وجنوده وانا اعلمهم  
 البهائم ومنطق الطير انا الذي اجوز السموات السبع والارضين السبع في طرفة عين  
 انا المتكلم على لسان عيسى في المهد انا الذي يصلّي عيسى خلفي انا الذي اقلب في الصور  
 كيف شاء الله انا مصباح الهدى انا مفتاح التقي انا الآخرة والاولى انا الذي ادى اعمال  
 العباد انا خازن السموات والارض بامر رب العالمين انا القائم بالقسط انا ديار الذين  
 انا الذي لا يقبل الاعمال الا بولايتي ولا ينفع الحسنات الا بمحبتتي انا العالم بمدار الفلك  
 الدّوار انا صاحب مكيا لقطرات الامطار ورمل القفار باذن الملك الجبار انا الذي  
 اقتل مرتين واحيي مرتين واظهر كيف شئت انا محصى الخلائق وان كثروا انا محاسبهم  
 وان عظموا انا الذي عندي الف كتاب من كتب الانبياء انا الذي حمد ولا يبقى الف امة  
 ففسخوا انا المذكور في سالت الزمان والخارج في آخر الزمان انا قاصم الجبارين في الغابر  
 ومخزئهم ومعدبهم في الآخرين انا معذب يعقوب ويعوق ونسرا عذابا شديدا انا  
 المتكلم بكل لسان انا الشاهد لاعمال الخلائق في المغارب والمشارق انا محمد ومحمد انا  
 انا المعق لا يقع عليه اسم ولا شبه انا باب حطة ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم  
 میں خدا کے شہروں میں سر اللہ ہوں۔ اور اُس کے بندوں پر اُس کی حجت ہوں۔ میں خدا  
 کا امر اور روح ہوں جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے  
 ہیں۔ کہہ دے کہ روح میرے رب کا امر ہے میں نے بلند و بالا پہاڑوں کو قائم کیا ہے۔ میں نے



چشمہ ہائے جاری کو شکافتہ کیا ہے۔ میں اشجار کا لگانے والا ہوں۔ میں پھلوں کے رنگ کا نکانے والا ہوں۔ میں روزیوں کا اندازہ لگانے والا ہوں۔ میں مردوں کا اٹھانے والا ہوں۔ میں (بارش اور شبنم) کے قطروں کا نازل کرنے والا ہوں۔ میں سورج چاند اور ستاروں کو نورانی کرنے والا ہوں۔ میں قیامت کا برپا کرنے والا ہوں۔ میں ساعت کا قائم کرنے والا ہوں۔ میں وہ ہوں جس کی منجانب اللہ اطاعت واجب ہے۔ میں زندہ ہوں۔ مجھے موت نہیں ہے۔ میں مردہ ہوں مگر مرا نہیں (یہ موت فنا فی اللہ سے عبارت ہے جو عین زندگی ہے) میں خدا کا ستر مخزون ہوں۔ میں عالم ماکان و مایکون ہوں۔ میں مومنین کی نماز و روزہ ہوں۔ میں اُن کا مولا اور اُن کا امام ہوں۔ میں نشرِ اول و آخر کا صاحب ہوں۔ میں صاحبِ مفاخر و مناقب ہوں۔ میں صاحبِ کواکب ہوں۔ میں خدا کی طرف سے (دشمنانِ خدا کے لئے) عذاب و اصب (دائم وابدی) ہوں۔ میں جبارانِ اول کا ہلاک کرنے والا ہوں۔ میں دولتوں کا زائل کرنے والا ہوں۔ میں زلزلوں اور بھونچال کا مالک ہوں۔ میں صاحبِ کسوف و خسوف ہوں۔ میں اپنی اسی تلوار سے فرعونوں کا برباد کرنے والا ہوں۔ میں وہ ہوں جسے خدا نے سایہ (رحمت) میں کھڑا کیا اور مخلوق کو میری اطاعت کی طرف بلایا۔ پس جب میں ظاہر ہوا تو ان لوگوں نے میرا انکار کیا۔ چنانچہ خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ ان کے پاس آیا جسے وہ جانتے تھے تو انہوں نے اس سے انکار کیا۔ میں نورِ الٰہی ہوں۔ میں ابراہیم کے ساتھ حاملِ عرش ہوں۔ میں کتبِ گزشتہ کا مالک ہوں۔ میں خدا کا وہ دروازہ ہوں جو تکذیب کرنے والے کے لئے نہیں کھولا جاتا۔ اور وہ جنت کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا۔ میں وہ ہوں جس کے بستر پر ملائکہ کا ہجوم رہتا ہے۔ مجھے دنیا کی اقلیموں کے (مخلص) بندے پہچانتے ہیں۔ میں وہ ہوں جس کے لئے سورج نے دو مرتبہ رجعت کی۔ اور مجھ پر دو مرتبہ سلام کیا۔ میں نے رسول اللہ کے ہمراہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ میں نے دو بیعتیں کیں۔ میں صاحبِ بدر و حنین ہوں۔ میں طور ہوں۔ میں کتابِ مستور ہوں۔ میں لبریزِ سمندر ہوں۔ میں بیتِ المعمور ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میری اطاعت کے لئے مخلوق کو بلایا گیا۔ ایک گروہ نے انکار کیا اور اس کفر پر اصرار سے کام لیا۔ یہ گروہ مسخ ہو گیا۔ اور دوسرا گروہ نے میری اطاعت قبول کی۔ وہ میرے سبب سے نجات پانچا گیا اور تقریباً بارگاہِ خداوندی ہوا۔ میں وہ ہوں جس کے ہاتھ میں جنت اور دوزخ کی کنجیاں ہیں۔ میں زمین و آسمان میں رسول اللہ کی



ساتھ ساتھ ہوں۔ میں مسیح ہوں (یہ قدرت نے مجھے مس کیا ہے) جبکہ نہ کوئی روح متحرک تھی اور نہ میرا  
سوا کوئی نفس متنفس تھا۔ میں صاحب قرون اودے ہوں۔ میں صامت ہوں اور محمد ناطق ہیں۔ میں نے  
موتے کو سمندر سے پار اتارا ہے۔ میں نے فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کیا ہے میں چوپایوں  
کے ہمہوں سے واقف ہوں۔ پرندوں کی زبان کا عالم ہوں۔ میں وہ ہوں جو پلک جھپکتے میں سات  
آسمانوں اور سات زمینوں سے گزر گیا۔ میں گہوارے میں عیسے کی زبان سے کلام گرنیوالا ہوں۔  
عیسے بوجہ آمد و فی الحال سخن گفت      آن نطق و فصاحت کہ باو بود علی بود

میں وہ ہوں کہ عیسے جس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ میں حسب مشیت الہی جو صورت چاہتا ہوں اختیار  
کر لیتا ہوں۔ میں ہدایت کا چراغ ہوں۔ میں تقوے کی مفتاح ہوں۔ میں آخر ہوں میں اول ہوں۔  
میں بندوں کے اعمال دیکھتا ہوں۔ میں بامر رب العالمین سموات و ارض کا خزانہ دار ہوں۔ میں قسط  
و عدل کے ساتھ قائم ہوں۔ میں روز قیامت جزا دینے والا ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میری ولایت کا  
اقرار کیے بغیر اعمال قبول نہیں ہوتے۔ اور میری محبت کے بغیر حسانت کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ میں آ  
فلک دوار کا عالم ہوں۔ میں باذن بادشاہ تبار قطرات بارش اور ریگ صحرا کا پیمانہ ہوں۔ میں وہ  
ہوں جو دو مرتبہ قتل ہو گا۔ اور دو مرتبہ زندہ ہو گا اور جس طرح بھی میں چاہوں گا ظاہر ہو گا۔ میں  
تمام خلایق کا احصا کرنے والا ہوں۔ اگرچہ انکی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کا محاسب ہوں۔ اگرچہ انکا  
شمار عظیم ہے۔ میں وہ ہوں جس کے پاس کتب انبیاء میں سے ہزار کتابیں ہیں۔ میں وہ ہوں جسکی  
ولایت کا ایک ہزار امتوں نے انکار کیا جس سے وہ نسخ ہو گئیں۔ میں زمانہ گزشتہ میں مذکور تھا۔  
میں آخری زمانہ میں خروج کرنے والا ہوں۔ میں ان جباروں کو شکستہ کرنے والا ہوں جو باقی رہ گئے ہیں  
میں مانگو زمین سے نکالنے والا ہوں اور آخرین میں انکو عذاب دینے والا ہوں۔ میں یغوث و یوق و نسر  
(ان تین مشہور بتوں) کو شدت کے ساتھ معذب کرنے والا ہوں۔ میں ہر ایک زبان میں کلام گرنیوالا  
ہوں۔ میں مشارق و مغارب میں اعمال خلایق کا نگران ہوں۔ میں محمد ہوں اور محمد میں ہوں۔ میں وہ  
مستغنی ہوں جس پر اسم واقع نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی اس کا نظیر ہو سکتا ہے۔ میں مغفرت کا دروازہ  
ہوں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس ارشاد حقیقت بنیاد میں جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے اس پر نظر کرتے ہو بلا خوف و تدبیر



کہا جاسکتا ہے کہ جتنے صفات کمالیہ ظاہر ہوئے وہ انہی مظاہر تامہ اور کامل انسانوں کے وجود سے ظاہر ہوئے کوئی فیض ایسا نہیں ہے جو ان کے توسط کے بغیر پہنچ گیا ہو اور کوئی صفت ایسی نہیں جس کی نمود ان میں موجود نہ ہو۔ یہی مقام، مقام خلافت عظمیٰ ہے۔ خدا کی جانشینی کے یہی معنی ہیں۔ ورنہ بغیر اس کے خلافت کوئی قابل وقعت چیز نہیں ہے۔ ایسا ہی خلیفہ خلافت عظمیٰ کا حامل ہے۔ وہ اپنی رعایا کے جزو کل پر متصرف ہوتا ہے۔ رعایا کے حالات سے کلیۃً خبردار رہنا اس کے لئے لازم ہے۔ یہی خلیفہ خدا رعایا کو اسکی مایحتاج اس طرح پہنچاتا رہتا ہے کہ غفلت شعار رعایا کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی جتائے تو انکار پر کمر باندھتی ہے۔ ربوبیت کی شان اسی کے ہاتھ پر جاری ہوتی ہے۔ یہی مربی عالم ہوتا ہے۔ بغیر اس کے عالم کا قوام درست نہیں رہ سکتا۔

لو کہ الامام لساخت الارض باصلھا۔ اگر امام نہ ہو تو زمین اہل زمین سمیت غائب ہو جائے۔ اس خلیفہ اعظم کو رعایا کے جزو کل امور پر تصرف کلی حاصل ہوتا ہے۔ اسی تصرف قہریہ کا نام ولایت مطلقہ ہے۔ یہی منظر اسم الولی ہے۔ اسی کا وجود سب سے مقدم اور سب سے پہلے تھا۔ مولوی سید محمد بسطین صاحب زاد مجرہ نے اپنی بے نظیر تصنیف صراط السوی میں لکھا ہے :-

”چونکہ الولی خدا کا نام ہے اور یہ ایسا اسم ہے جو خدا کے لئے بولا جاتا ہے اور خدا ہمیشہ سے اس صفت کے ساتھ متصف اور اس اسم کے ساتھ موسوم ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ کبھی ولایت مطلقہ الہی منقطع نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا منظر بھی ہمیشہ موجود رہیگا۔“ اس تحریر پر ایک متفلسف اعتراض کرتا ہے کہ مولوی صاحب کے اس بیان سے لازم آتا ہے کہ ولایت مطلقہ الہی کا منظر بھی مثل خدا قدیم ہو۔ والا ملازم کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ جسکو کوئی عاقل اختیار نہیں کر سکتا۔

معرض کا یہ اعتراض عدم تدبیر پر مبنی ہے۔ اور مولف صراط السوی مد فیوضہ کے کسی لفظ سے وہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا جو فلسفی معرض نے پیدا کر کے دنیا کو دھوکا دینا اور باب فیض کو بند کرنا چاہا ہے۔

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ مولف مذللہ نے امام زمانہ کے وجود پر دلائل قرآن و حدیث پیش کرتے ہوئے اس وجود مقدس کو منظر اسم الولی کہا ہے۔ یہ لفظ منظر خود اس نسبت تاخر کو بیان کر رہا ہے جو اسی ظاہر سے ہے یعنی عقلاً وجود ظاہر مقدم ہے۔ اور وجود منظر مؤخر۔



علاوہ ازیں مؤلف کا ارشاد یہ ہے کہ کبھی ولایت مطلقہ الہی منقطع نہیں۔ لہذا اس کا منظر بھی ہمیشہ موجود رہیگا۔ اس کلام میں صریح ابدیت کی طرف اشارہ ہے۔ نہ کہ ازلیت کی جانب۔ اور اس میں کسی عاقل کو کلام ہو نہیں سکتا۔

واضح ہو کہ عالم تقدیر یا علم سے اس مقام پر بحث نہیں بلکہ مقام بحث میں عالم ایجاد ہے۔ حدیث قدسی کنت کذا مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لی اعرف۔ اس راز کو ظاہر کر رہی ہے۔ پس عالم ایجاد جب سے ہے (جو زمان و زمانیات سے میرا ہے) اسی وقت سے خلیفہ خدا اور منظر اسم الہی کا وجود فی الایمان ثابت ہے۔ بلکہ عالم ایجاد کی پہلی شے یہی ہے۔ باقی سب اس کے بعد اور اس کے تحت تصرف ہیں۔ اس اعتقاد کو قدم ذاتی سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو قدم کے معنی معلوم نہیں۔ حالانکہ اگر منظر ولی کو ”من حیث ثبوتہ فی علم الباری“ قدیم کہا جائے تو اس میں کسی صاحب نظر کو کلام نہ ہوگا۔ مگر ہم تو اس لفظ کو پسند ہی نہیں کرتے جس سے کسی قسم کا شبہ عارض ہو سکے۔ والکن موجوداً فی علم اللہ ازلاً فهو محدث فی نفس ذلالت الوجود لانه فیہ معتقر الی موجود یوجد فی العین فوجودہ موتب علی وجود الحق و هذا معنی الحدوث فلا یصح علیہ اسم القدیم۔ اگرچہ وہ علم خدا میں ازل سے موجود ہے لیکن وہ فی نفسہ اپنے وجود میں ایسے موجود کا محتاج ہے جو اسے وجود فی العین کا خلعت بخشنے پس اس حالت میں یقیناً اس کا وجود وجود حق پر مترتب ہوگا۔ یہی معنی حدوث کے ہیں۔ اور اس پر اطلاق اسم قدیم کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور یہی دلیل کل ماسوے اللہ کے حدوث اور عدم قدامت کے لئے جاری ہوگی۔

ان امور کو قدر نظر رکھتے ہوئے کہ ان شخص سوائے خدا کے اور کسی کی قدامت کا قائل ہو سکتا ہے اور مولوی سید محمد حسین صاحب مد فیوضہ کی تحریک ہرگز یہ نشانہ نہیں ہے بلکہ اسکا شخص صرف اس قدر ہے کہ جب سے عالم ایجاد کی بنیاد ہے اس وقت سے منظر صفات کمالیہ الہیہ موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں بلکہ اہل حق کو یہی عقیدہ رکھنا ہمارا اور ہوگا۔ خیر یہ تو سب کچھ ہو چکا لیکن فلاسفر صاحب اس کا تو جواب دیں کہ خلقت مخلوق سے پہلے خدا کیا کرتا تھا کیا معطل محض تھا۔ اگر معطل تھا تو کل یوم ہونی شان کے کیا معنی ہیں اور آیا



تفصیل مناسب شان الوہیت ہے یا نہیں؟ جواب معقول حرمت ہو۔

اس دلچسپ سوال کے بعد ہمیں اپنے مقصد پر آنا چاہئے۔ وہ یہ کہ منظر اسمِ اولیٰ کا وجود نہایت ضروری ہے اس کا وجود دیگر مخلوق سے مقدم بھی ہے اور سب کے مؤخر بھی۔ اسی ولایتِ مطلقہ امیر المؤمنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان مقدس منارات میں ظاہر فرمایا ہے جو اس سے قبل درج کئے جا چکے ہیں۔ اسی منارات ولایتِ مطلقہ کی جانب مندرجہ ذیل آیتِ وافی ہدایہ اشارہ کر رہی ہے۔

اَفَتَتَّخِذُونَ ذُرِّيَّتَهُ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُوَ لَكُمْ عَدُوٌّ لِّلْظَالِمِيْنَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ  
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَخْلُقْ اَنْفُسَهُمْ وَمَا كُنْتَ تَتَّقِي الْمَظْلُوْمِيْنَ عَصٰدًا  
”کیا تم شیطان اور اسکی ذریت کو ولی قرار دیتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالمین کے لئے  
بہت برا عوض اور بدل ہے ان شیاطین کو نہ میں نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا  
اور نہ ان کے نفوس کی خلقت کے وقت۔ اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا  
نہیں ہوں گا“

پہلے ایک کلیہ عقلیہ سمجھ لیجئے پھر آیت کے معنی میں تدبر کیجئے گا۔ ایک قاعدہ عقلیہ ہے اگر کوئی  
کسی شخص سے کسی مرتبے کی نفی کرتے ہوئے ان چیزوں کو دلیل پیش کریں جو اس میں موجود  
نہیں ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان چیزوں کا وجود اس مرتبے کے لئے لازمی ہے۔  
مثال اسکی یہ ہے کہ زید نے جو ایک عالم معتمد ہے خداوند کیا کہہ کر پشیمان نہیں۔ اور دلیل یہ  
بیان کی کہ وہ عادل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدالت پیش نمازی کے لئے شرط ہے یا یہ کہا  
کہ وہ مسائل ضروریہ سے واقف نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسائل ضروریہ سے واقف ہونا پشیمانی  
کے لئے لازمی ہے۔ یہ ایک معمولی عقلیہ ہے جسے معمولی سمجھ کا انسان بھی جان سکتا ہے بلکہ جاننا ہی  
اس کلیہ کو مد نظر رکھ کر ملاحظہ کیجئے کہ خداوند عالم اپنے ولایتِ شیطان کی نفی فرمائی ہے۔  
اور اسکی دلیلیں جو ارشاد فرمائی ہیں وہ یہ ہیں۔

”اے وہ تمہارا دشمن ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی وہ ہو سکتا ہے جو تمہارا سر تا سر دوست ہو  
جس میں مرکز تمہاری عداوت کا شائبہ نہ ہو۔ گویا اس کا وجود درست ہی رحمت ہو و ما امر بالظن  
الامر حجة للعالمین اسکی شان ہو۔“



(۲) میں نے شیطان اور فریت شیطان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ولی و مہوسکتا ہے جسے خدا نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا ہو اور وہ اس وقت موجود رہ کر اس خلقت اولیہ کے حالات سے خبردار ہو۔

(۳) میں نے ان میں سے بعض کو بعض کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا (لاخلق انفسہم) اس سے معلوم ہوا کہ ولی وہ ہیں جو ایک دوسرے کی خلقت کے وقت موجود رہے ہوں۔ اور اس کا علم حضوری رکھتے ہوں۔

(۴) میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولی وہ ہے جو بد اعمال خداوندی ہو۔ اور اس کی شان ہدایت ہی ہدایت ہو۔

یہ باتیں اس آیت ہدایہ سے باور میں آ سکتی ہیں۔ اسی تدبیر کے لئے حکم محکم موجود ہے اخلاقیات و تدبیرات ام علیہ منوب اتقوا لہا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبیر نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں اور پھر قفل بھی کیسے دلوں ہی کے۔

اب تدبیر عقلی سے واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے نفی ولایت شیطان و فریت شیطان کرتے ہیں جن امور کا عدم ان میں ثابت فرمایا ہے۔ انہیں امور کا وجود و منزلت ولایت کے لئے حسب قانون عقلی لازمی و لازمی ہے اور اس سے ولی برحق کے فضائل و مناقب کافی طور پر معلوم ہو سکتے ہیں علاوہ اس کے جب ارشادات معصومین پر نظر پڑتی ہے تو اس سے صریح طور پر وہی مستنبط ہوتا ہے جو بیان کیا گیا۔ صاحب تفسیر صافی اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔ فی الدکان عن

الجواد علیہم السلام ان اللہ تبارک و تعالیٰ لم یزل متفرداً بوحداً نبیہ ثم خلق محمداً و فاطمہ و مکتواً الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشهدا ہم خلقها و

اجری طاعتہم علیہا و فوض امرہا الیہم الحدیث کافی میں حضرت جواد علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم اپنی وحدانیت میں متفرد تھا۔ پھر اس نے محمد و علی و فاطمہ کو خلق کیا۔ یہ بزرگوار ہزار زمانے تک اسی حالت پر رہے۔ پھر اس نے تمام اشیا کو خلق کیا۔ اور ان بزرگواروں کو ان چیزوں کی خلقت پر حاضر کیا۔ ان کی طاعت ان اشیا پر جاری کی اور ان اشیا کا امر نہیں

تفویض کر دیا۔ الآخرہ۔ اس حدیث سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ ارشاد معصوم ہرگز اس



قانون عقلی کے مخالف نہیں جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ بلکہ بالکل اس کی تائید و تاکید کر رہا ہے۔  
مولوی سید محمد سبطین صاحب سے تالیف کتاب مستطاب صراط السوی میں جہاں بہت سی  
غلطیاں ہوئی ہیں وہاں انھوں نے یہ غلطی بھی کی ہے کہ آیت مذکورۃ الصدر کو اولہ وجود اولی  
وامام میں قرار دیا ہے جو یقیناً ارشادات معصومین سے مستنبط ہے۔

ایک بت بڑے فلاسفر اس پر اعتراض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مولف صاحب نے جو کچھ  
فرمایا ہے وہ بالکل ان کا طبع زاد مضمون ہے۔ آیہ شریفہ کو اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور  
ولی کے جن معنوں کا مفہوم آیت ہونا بیان فرمایا ہے وہ اس سے کسی طرح نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ  
آیہ مذکور میں حق تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی سرزنش کی ہے کہ تم شیطان اور اس کی ذریت کی جو  
گمراہ کنندہ ہیں اطاعت کرتے ہو اور ان کو برا بدل قرار دیتے ہو حالانکہ میں نے اپنی مخلوقات کے  
پیدا کرنے میں ان کو اپنا معین قرار نہیں دیا۔ لہذا ان کو میرا عوض قرار دینا اور ان کے پیرو وہ  
دوسو سوں پر عمل کرنا اور ان کو واقعی سمجھنا کیونکر صحیح ہو۔ پس آیہ شریفہ میں شیاطین کے قابل  
اطاعت ہونے کی نفی مذکور ہے۔ اور اس میں معنی ولی وغیرہ کا بیان کرنا کسی طرح مقصود نہیں ہے  
اور ولی بمعنی مستحق امامت کے اولہ میں آیہ مذکور کو کسی شخص نے نہیں لکھا جیسا مولف صاحب  
کا خیال ہے تو کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے؟

ہم کبھی اس قول پر نظر ڈالتے ہیں اور کبھی قائل کی غلی نمائش پر افسوس کرتے ہیں۔ کبھی اس  
تحریر کی سخافت پر ہنسی آتی ہے اور کبھی قائل کے بے چوڑے خطابات "استاد اکل فی اکل"  
پر۔ یہ علم اور یہ ہے مدھیان علم کا سرمایہ کمال جس سے ایک دنیا کو مرعوب کرنے کی کوشش  
کی جاتی ہے۔ خد کی قسم اب ہندوستان میں مذہب کی لگا میں جہاں کے ہاتھ میں دیکھ کر  
خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے۔ غضب خدا کا دین و دیانت سے تعلق ہی اٹھ گیا۔ اور پھر  
تمام دنیا کو اپنی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ اور عقائد کی اصلاح کے لئے بائیں جہل و نادانی  
کو ششیں فرمائی جا رہی ہیں۔ اس کا نام مکر نہیں تو اور کیا ہے۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کے لئے لیتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب سوائے مولف صراط السوی  
کے اور کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا لکھا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے کتاب خدا سے



ایک دلیل اخذ کی ہے وجود امام پر۔ آیا یہ اخذ کرنا کوئی جرم شرعی ہے۔ علامہ حلی نے جو الفین میں  
 ہزار دلیلیں اس بارہ میں جمع کی تھیں کیا وہ سب کی سب دوسروں کے کلام سے ماخوذ ہیں اور  
 اور ان میں سے کسی دلیل میں بھی وہ مستفرد نہیں ہیں۔ تو کیا محققین کے نزدیک علامہ کی حیثیت  
 اثبات میں یا نفي میں ایک سچ کر سیتے والے کی ہے۔ کیا وہ بھی صرف ریوڑ کے تاروں کا ترجمہ کر دینے  
 والے تھے؟

اب آئے اس امر کی جانب کہ کتاب اللہ سے مطالب کا استخراج کرنا ہے اور اہل علم  
 کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری نے ایک باب تعلیم و تعلم  
 کی نسبت تحریر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ترتیب علوم کا بیان ہے اور اس ترتیب علوم کی نسبت  
 صاحب کتاب لکھتے ہیں۔

واعلم ان ترتیب العلوم علیٰ غر ما ذکرنا ما خود من کلام شیخنا الشہید الثانی  
 نور اللہ علیہ ص ۱۱۱ اکثر فوائد معدة النور ما خود من کلام صاحب علینا فی اخذ  
 کلامہ کلانہ النجی الذی عرت منہ الملت خرون باسراہم  
 یعنی جانتا چاہتے کہ ترتیب علوم کا جس طریقے پر ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے شیخ شہید ثانی  
 زائد غریبہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ بلکہ اس نور دہا کے اکثر قواعد انھیں کے کلام سے لئے گئے  
 اور ان کے کلام سے اخذ کرنے میں ہم پر کوئی عیب نہیں لگا سکتا۔ اس سے کہ وہ ایک سمندر ہیں جس سے  
 متاخرین نے کلیتہً چلو بھرا ہے۔

اس ترتیب کو مدوح نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تمام علوم یعنی حروف و نحو و ادب و منطق و فقه  
 و اصول فقہ و حدیث و روایت سے جب فارغ ہو تو اب اسے تفسیر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ پانچ  
 ان کے الفاظ یہ ہیں فاذا فرغ من ذلك كله شرع في تفسير الكتاب العزيز باسرها فكل هذا  
 العلوم مقدم مثله واذا وفق له فلا يقتصر على ما استشر به المفسرون وانظارهم فيه بل  
 يكثر من التفكير في معانيه ويصفي نفسه للتطعم على اضرافه ويتعمق الى الله تعالى في ان  
 يمنحه من لدنه فهم كتابه واسرار خطابه فحينئذ يظهر عليه من الحقائق ما لم يصل اليه  
 غيره من المفسرين لان الكتاب العزيز لم يزل في قعره ودرر وفي ظاهره خير الناس في التقاط



درہاء والا اطلاع علی بعض حقائق علی مراتب ومن ثم تری التفاسیر مختلفۃ حسب  
اختلاف اہلما فیما یقلب علیہما ما یغلب علیہ العربیۃ لکشاف الرزق الخسری ومتمما  
ما یغلب علیہ الحکمۃ والبرہان الکلامی کفایتہم الغیب للہ انری ومنہما ما یغلب علیہ القصص  
کتفاسیر الثعلبی ومنہما ما یسلط علیہ تاویل الحقائق دون التفسیر الظاہر کتفسیر عبد الرزاق  
الکاشی اسے غیر ذلک

جب علوم سے فائدہ ہو جائے تو کلیۃً تفسیر کتاب اللہ کو شروع کرے کیونکہ یہ تمام علوم اس کے  
لئے مقدمہ ہیں اور جب کہ اس امر کی توفیق اسے ملجائے تو صرف ان مطالب پر بس نہ کرے۔  
و دیگر مفسرین نے کتاب اللہ میں غور و فکر کے بعد استخراج کئے ہیں۔ بلکہ اس کے معانی میں تفکر کثیر  
سے کام لے اور نفس کو صاف کرے تاکہ وہ اس کی پوشیدگیوں پر مطلع ہو۔ خداوند عالم کے سامنے  
گرمہ وزاری کرے تاکہ وہ اپنے پاس سے اسے فہم کتاب اور اسرار خطاب عطا فرمائے۔ اُس وقت اُس پر  
وہ مقائق ظاہر ہوں گے جن تک دوسرے مفسرین کا ہاتھ نہیں پہنچا اس لئے کہ کتاب عزیز ایک  
بحر عمیق ہے جسکی تہ میں موتی ہیں اور ظاہر میں خشک روکیاں ہیں۔ اور ان موتیوں کے چھنے اور  
حقائق پر اطلاع حاصل کرنے میں لوگوں کے درجے مختلف ہیں۔ اسی مقام سے معلوم ہو سکتا ہے  
کہ تفسیروں میں جو اختلاف ہے وہ مفسرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر کسی تفسیر میں عربیت کا  
غلبہ ہے جیسے کہ کشاف رزق الخسری کسی میں حکمت و برہان کلامی کا جیسے کہ تفسیر مفاتیح الغیب رازی  
کسی میں قصص و حکایات ہی نظر آتے ہیں جیسے تفاسیر ثعلبی کہیں تاویل حقائق کا اور ہے اور تفسیر  
ظاہر سے قلع نظر کی گئی ہے جیسے کہ تفسیر عبد الرزاق کاشی وغیرہ

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنجیدہ و فہمیدہ ارباب علم نے روشنی عقول کا سامان اس طرح  
کیا ہے کہ انہیں کتاب اللہ میں مزید غور و فکر کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور اطلاع اقوال غیر پر قبضہ کرنے  
کو منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے وہن میں بلادت پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ دعوت اس  
آیہ وافی ہدایہ "افلا یتدبرون القرآن" کے ماتحت کی گئی ہے۔ پس ان ارباب کمال کی نکتہ سنجی  
کی پزار پر اگر کوئی شخص کوئی نکتہ کتاب اللہ سے اخذ کرے تو مستحق مدح ہوگا۔ نہ کہ قابل مذمت لیکن  
حیف ہے ہمارے زمانہ پر کہ اسکے تمام قانون الٹے ہو گئے کوئی بات ٹھکانے کی نہ رہی۔ مولف صراط السی



اگر اپنے اس قول میں منفرد قرار دئے جائیں اور وہ نتیجہ انھیں کا طبع زاد قرار دیا جائے جو انھوں نے  
آیہ مذکورہ سے اخذ کیا ہے تو اہل ایمان کو بطیب خاطر ان کے دماغ کی رسائی کی داد دیتے  
ہوئے اسے قبول کرنا چاہئے نہ یہ کہ اٹلی آستینیں مقابلہ کے لئے چڑھائی جائیں۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ مولف نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ احادیث ظاہرین کے لب لباب کو  
اپنے لفظوں میں ذکر کر دیا ہے۔ لیکن فاضل معترض نہایت تحکم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اس میں معنی  
ولی وغیرہ کا بیان کرنا کسی طرح مقصود نہیں۔ عجب تماشا ہے ایک طرف تو حدیث پکار رہی ہے  
کہ اس سے ولایت مطلقہ محمد وآل محمد پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسری طرف معترض صاحب فرماتے  
ہیں کہ ہرگز نہیں۔ خدا کا مقصود یہ ہے ہی نہیں بلکہ خدا کا خاص مقصود وہی ہے جو آپ کے  
دماغ شریف پر نازل ہوا ہے۔ اس تحکم کا نام ہے تفسیر بالرائے۔ قانون عقل اور ارشادات  
معصومین کی بنا پر اخذ مطالب کرنے کو تفسیر بالرائے نہیں کہتے۔ پہلے کسی سے تفسیر بالرائے  
کے معنی پوچھ لئے ہوتے۔ پھر یہ لفظ لکھا ہوتا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ اس زمانہ کے بعض ملاؤں کو اہل بیت علیہم السلام سے کیوں اس قدر کاوش  
ہو رہی ہے۔ جہاں کوئی آیت یا حدیث ان بزرگواروں کے متعلق بیان ہوئی اومان کے مرجس لگیں  
فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضاً۔

خیر اس مقام سے معلوم ہوا کہ شان ولایت کیا ہے۔ یہی وہ اولیا نے برحق ہیں جنہیں کلام خدا  
میں اُمت مسلمہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی مخاطب صحیح ہیں ہوشمکہ المسلمین کے یہی وہ مسلم و موحد  
ہیں جنہیں کسی عالم میں کسی زمانے میں کسی عہد میں کسی حالت میں جاہلیت اور کفر نے مس نہیں کیا  
لہ تجسسکم الجاہلیۃ بانجاسمہا تمہیں ہرگز جاہلیت نے اپنی نجاستوں سے نجس نہیں کیا۔ ان کی  
خاص شان ہے۔ یہی وہ مسلم ہیں جن کا وجود نزول ظاہری کتاب سے قبل موجود تھا جس کی خبر سورہ  
قصص کی آیات میں موجود ہے۔ فقال سبحانه تعالیٰ لقد وصلنا لہم القول لعلہم یتذکروا  
ہم نے ان کے لئے قول خاص کو وصل کر دیا ہے جنہیں کوئی انقطاع نہیں ہے جو تا قیامت منقطع  
نہوگا، شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں عبرت حاصل کریں نصیحت مانیں۔

اہل دیانت و عقل کو سوچنا چاہئے کہ یہاں قول سے کیا مراد ہے اور یہ "القول" کیا معنی







بٹھتا ہے۔ تاکہ حجت خدا سے زمین خالی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں ہمیشہ اتصال ہے اور کبھی اس کے لئے انقطاع نہیں۔

موجودہ زمانہ میں چونکہ تدبر فی القرآن ایک ایسا جرم قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا اس لئے اہل علم خصوصاً تفسیر کو زمانہ کے عامل اس میدان سے بہت دور جا پڑے اب وہ ذرا ذرا سی بات پر من فسر القرآن براہ کی تلاوت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یقیناً محل تلاوت سے بے خبر ہیں۔ مندرجہ بالا تحریر متعلق وصلنا لہم القول کو دیکھ کر ہمیں یقین ہے کہ بہت سی پیشانیان متکبرانہ شکنجے سے آلودہ ہوں گی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ غیظ و غضب کیوں لازمی ہو گیا تو ہم اس کا جواب یہی دے سکتے ہیں کہ آیات قرآنیہ سے فضائل اللہ کا انکشاف اب مطبوع طبع مدعیان علم نہیں ہے۔ خیر ان کو ان کے حال پر چھوڑتے۔ آپ آئے ارشاد اللہ کی جانب اور دیکھئے کہ ان بزرگواروں نے اس قول کی کیا تفسیر فرمائی ہے۔

صاحب تفسیر صافی اس جزو آیت کے ماتحت رقمطراز ہیں فی الکافی عن اکاظم امام کے امام و ہقی عن الصادق امام بعد امام ان علمائے ربانی کے ارشاد سے اہل بصیرت پر واضح ہو گیا کہ وصلنا لہم القول سے مراد ایک امام کا دوسرے امام کے بعد منصوب ہونا ہے۔ لیجئے دو معصوموں کی شہادت موجود ہے۔ اب تو آپ یقین کر لیجئے کہ یہ آیت اللہ کی شان میں ہے۔ موجودہ زمانہ میں اکثر شیعوں کی حالت اس درجہ بدتر ہو گئی ہے کہ اگر وہ اس آیت کی متعلق معصومین کی شہادت کو قبول کر لیں گے تو ہم سمجھیں گے کہ انھوں نے بڑا احسان کیا۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ وصلنا لہم القول سے مراد یکے بعد دیگرے امام کا قائم ہونا ہے۔ تو اب آیت کے مابقی حصے پر نظر ڈالئے۔ جس سے یہ مطلب بالکل واضح ہو جائے گا اور اہل بصیرت کی آنکھیں نور ولایت اللہ علیہم السلام سے روشن ہوں گی۔

الذین اتیناھم الكتاب ہم بہ یومنون واذا بتلی علیہم قالوا امنا بداند الحق من ربنا انما کنا من قبلہ المسلمین

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں اور جس وقت یہ کتاب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نے اس کی تصدیق کی بیشک یہ



ہمارے پروردگار کی طرف سے حق و صدق ہے اور ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے۔  
 بیان ہو چکا ہے کہ حسب ارشاد معصوم و تدبر معقول شروع آیت میں ائمہ علیہم السلام کا ذکر ہے  
 اب انہیں ائمہ کی شان بیان فرماتا ہے۔ یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے یعنی حقیقت کتاب  
 عطا فرمائی ہے۔ وہی اس قرآن کی تصدیق واقعی کرتے ہیں۔ اور اس تصدیق واقعی کی دلیل یہ ہے کہ جب  
 ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا توقف کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم بیشک اس کی تصدیق کرتے ہیں  
 یہ ہمارے پروردگار کی جانب سے حق و صدق ہے اور ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے۔

الفاظ آیت پر ایک سرسری غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ کن بزرگوں کی  
 زبان سے ادا ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً جب ہم سورئہ حج کی آخری آیات کو اس آیت کے ساتھ ملا کر دیکھتے  
 ہیں۔ تو مطلب بالکل واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون  
 اے صاحبان ایمان رکوع و سجدہ کرو اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور خیرات بجالاؤ تم ہی فلاح یافتہ ہو  
 وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ ہوا جنتکم۔ خدا کی راہ میں حق جہاد بجالاؤ۔ اس نے تمہیں  
 مجتبیٰ کیا ہے اے اختارکم للدینہ ولنصرتہ اپنے دین کے لئے اپنی نصرت کے لئے تمہیں انتخاب  
 کر لیا ہے فی الکافی عن الباقر علیہم السلام ایا ناعنی ونحن المجتہون اس سے مراد ہم ہی ہیں اور  
 ہم ہی مجتبیٰ ہیں۔ ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابيکم ابراهيم هو سلك المسلمين من  
 قبل وفي هذا تميز دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس فی تمہارا  
 نام مسلم رکھا ہے۔ اس سے پہلے بھی اور اس کتاب میں بھی (تم اس نام سے پکارے جاتے ہو)  
 قال ایا ناعنی خاصة وقال عز وجل سمانا المسلمين من قبل فی الکتاب التی مضت وفي  
 هذا القران حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ملة ابيکم ابراهيم“ کے مخاطب ہیں اور خدا ائمہ  
 عزوجل نے ہمارا ہی نام مسلم رکھا ہے پہلی کتابوں میں بھی جو گزر چکیں اور اس قرآن میں بھی لیکن  
 الرسول علیکم شہیداً علیکم وتکونوا شہداء علی الناس تاکہ رسول تم پر شہید دینی گواہ  
 ہو اور تم باقی لوگوں پر۔ قال فرسول اللہ لشہید علینا ہما بلخنا عن اللہ نقالے ونحن الشہد  
 علی الناس۔ حضرت فرماتے ہیں۔ پس رسول اس چیز پر گواہ ہیں جو ہمیں منجانب اللہ پہنچی ہے اور



اور ہم شہید علی الناس ہیں۔

اس آیت مجیدہ اور تفسیر معصوم سے معصوم ہو گیا کہ "هو سملکم المسلمین من قبل و فی هذا کے مخاطب صلیح اللہ علیہم السلام ہیں۔ اس تفسیر کو مد نظر رکھ کر اب نظر ڈالو آیت زیر بحث پر اور دیکھو کہ انا کنا من قبلہ مسلمین درہم اس سے پہلے بھی مسلم تھے، کیا معنی دیتا ہے اور اس آیت کا تعلق کون سے نفوس مقدسہ سے ہے۔ اور یہ دعویٰ اسلام بلا واسطہ کرنے والے کون بزرگوار ہیں۔

اب آیت کا بانی حصہ ملا حلف ہو۔ اولئک یؤتون اجرہم مرتین ہما صبر و اویضا مران بالحسنۃ السعیۃ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے عوض دوبرا اجر دیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جو حسنۃ کے ساتھ سستہ کو دور کرتے ہیں۔

فی الکافی عن الصادق علیہ السلام قال الحسنۃ التقیۃ والسیۃ الاذاعۃ کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا اس صبر کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تقیۃ پر صبر کیا اور فرمایا کہ حسنۃ سے مراد تقیۃ ہے اور سستہ سے مراد اٹھارہ سالان یعنی ضد تقیۃ۔ والقی قال ہم الاثمۃ فی قول یہ ہے کہ اس سے مراد اٹھارہ ہیں وہ ہمارے زمانہ میں یمنقون و اذا سمعوا اللغو اخرضوا عنہ و قال لانا اعمالنا و لکم اعمالکم سلام علیکم لا یتقی الجاہلین۔

اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے وہ انفاق کرتے ہیں اور جس وقت کسی نفویات کو سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلین اور شیعوہ جاہلین کے قریب نہیں جاتے۔ جاہلین کو بھی سلام علیکم کہہ کر مخاطب کرنا حسن خلق کی ایک اچھی مثال ہے۔ اور یہ امر بھی گویا خصوصیات ولایت میں سے ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔

جو لوگ کہ سیرت اللہ پر معمولی سی نظر رکھتے ہیں وہ یقین کر لیں گے کہ آیت کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ آل محمد سے تعلق رکھتا ہے۔ ہرگز کسی دوسرے کا دخل اس میں نہیں۔ چنانچہ تفسیر امام سے بھی اچھوتہ ہی بات ثابت ہے اور اس سے بہتر تسکین قلب کی دوا اور کوشی ہو سکتی ہے۔ اسی آیت کو مولف صراط السوی نے اپنی کتاب میں بہمن مناقب صاحبان ولایت وار کیا ہے۔ جس پر ایک مدعی علم اور تشیع بزرگوار فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کا مولف صاحب نے حضرات اللہ ظاہرین کی شان میں نازل ہونا اپنی کتاب صفحہ ۶۶ میں بھی تحریر فرمایا ہے جس کا ذکر اس کے قبل بھی آچکا ہے اور یہ ظاہر کیا جا چکا ہے



کے ہیں شریف کو ان حضرات سے کوئی ربط و علاقہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ معترض نے جو نے الحقیقت دینیات سے جا مل رہے کچھ نمبر قائم کئے ہیں۔ یعنی کتاب الصراط السوی کی غلطیاں نمبر وار گنتی ہیں انہیں نمبروں میں اس غلطی کا بھی اظہار کیا ہے کہ مولف کتاب نے اس آیت کو المہ سے منسوب کرنے میں غلطی کی۔ ایک عجیب لطف یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کے الفاظ صرف یہ ہوتے ہیں ”فلاں بات ٹھیک نہیں“ یہ مضمون صحیح نہیں۔ یہ مضمون کسی نے نہیں لکھا۔ یہ خلاف و رزی اسٹام ہے۔ اور بس یعنی متکبرانہ و معاندانہ دعوے کے سوا دلیل کسی مقام پر بیان نہیں کی۔ خدا جانے اس بدو مانع انسان نے اپنے آپ کو خدا سمجھا ہے۔ رسول سمجھا ہے۔ امام سمجھا ہے؟ آخر ہے کیا محالہ ممکن ہے اس کے حاشیہ نشینوں میں ایسے اندھے موجود ہوں جو ہر بات کو اندھوں کی طرح قبول کر لیں لیکن مکہم دنیا میں تو ایسے اندھے آباد نہیں۔

جن حضرات کی زبان کچھ بھی ذائقہ غلطی سے آسٹھ ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون حقائق و معارف ایک خاص غلطی اور دیدہ آئے بصیرت کو روشن کرنے والا مضمون ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اس مضمون میں جو الفاظ مخالفہ یا معترض کی نسبت لکھے جاتے ہیں وہ بظاہر اس مضمون کی متانت کے منافی ہیں۔ یہ سب صحیح ہے لیکن میں ایمان سے کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو دیدہ و دانستہ حق پوشی کرتے ہیں اور شیعہ کہلا کر قضا کل المہ کو مٹانا اور تفاسیر اہل بیت کو سیٹا سیٹا کرنا چاہتے ہیں وہ میرے نزدیک ان سے بھی زیادہ سخت الفاظ کے مستحق ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ مولوی سید محمد سبطین صاحب مؤلف صراط السوی سے ان کی دشمنی بہت پرانی ہے۔ اس قصہ کو تو بالائے طاق رکھئے کہ جب ایک پوری جماعت علیہ نے بنی کو جاہل ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کی تھی۔ یہ قصہ تو پرانا ہو گیا۔ اس کے بعد لطف یہ ہوا تھا کہ ایک رسالہ الذیوت نامی شائع ہوا اور وہ مولوی صاحب مدوح کے پاس بھی بغرض ریویو بھی گیا انھوں نے بعد اصرار اپنے رسالہ البیان میں نہایت نرم الفاظ میں اس کے اغلاط کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس اشارہ نے غضب ڈھلایا۔ وہیں ہم اور ہم پر اعتراض فوراً اس کا جواب تیار کیا گیا اور رسالہ لبرمان کو بھیجا کہ اسے شائع کر دو۔ مولوی صاحب مدوح نے نہایت انسانیت سے کاغذ لے کر اس



جواب کو شائع کیا مگر اس کے ساتھ ہی جواب الجواب شائع کر کے بتا دیا کہ آپ لوگوں کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس جواب الجواب نے ٹھنڈا کر دیا۔ اور پھر لب کشائی کی انہیں جرأت نہ ہوئی۔ اب جب مولوی صاحب موصوف کی تالیفات شائع ہوئیں تو انہوں نے سوچا کہ آؤ کسی طرح تو دل کا بخار نکال لیں۔ چنانچہ ایک غیر ذمہ دار معمولی طالب علم کے نام سے کتاب الصراط السوی پر اعتراضات شائع کئے گئے۔

ان حضرات کا ایک عجیب قاعدہ یہ بھی ہے کہ مضمون خود لکھتے ہیں اور کسی غیر ذمہ دار شخص کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ جو کچھ آفت آئے وہ سامنے والے پر آئے۔ اور ہم پبلک کی نگاہوں سے بچے رہیں بلکہ اگر مصلحت وقت ہو تو صاف انکار کر جائیں۔ واللہ باللہ! یہ تو گویا تکیہ کلام ہے۔ لیکن ہم ان چالوں سے غیب واقف ہو چکے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ اس پردہ زنگاری میں کس کی عشوہ طرازی ہے۔

خیر عمر۔ بکر خالہ حشر کہ باشندہ دیکھنا یہ ہے کہ مولوی سید محمد سبطین صاحب سلمہ اللہ کی کتاب کا موضوع ہے : دلائل وجود امام عصر و اظہار مناقب ائمہ اطہار۔

اب معترض صاحب کھڑے ہوتے ہیں ان دلائل کے مٹانے اور ان مناقب کی تردید کرنے کے لئے۔ سبحان اللہ کتنا دھچپ کام ان کے تفویض ہوا ہے ؟  
قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے  
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

مولف صراط السوی کو اثبات فضائل و مناقب مبارک اور معترض کو انکار فضائل۔ یہیں سے اہل دیانت معلوم کر سکتے ہیں کہ حق کس طرف ہے۔

اب دیکھئے سورہ قصص کی وہ آیت جن کی نسبت ہم نے بحمد اللہ ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق ائمہ سے ہے۔ خود ارشادِ ائمہ موجود ہیں۔ جس سے اہل بصیرت نے سمجھ لیا ہو گا کہ آیت کا مصداق کون ہیں۔ لیکن معترض صاحب کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا کہ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ائمہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ان کے دل میں امام کی ذرا بھی محبت ہوتی تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرتے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ پھر آیت کا مصداق کون ہیں ؟ غالباً بلکہ یقیناً وہی اعتقاد عوام معترض کے دل



میں بھی قائم ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ دعویٰ تسلیم ہو سکتا ہے مگر دلائل سے ثابت کرو کہ وہ کون سے یہودی اور نصرانی ہیں جو ان اوصاف سے متصف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ وہ کون سے یہودی یا نصرانی تھے جنہوں نے تلاوت قرآن سنتے ہی کہہ دیا امانہ اللہ الحق من ربنا ہم نے اس کی تصدیق کی (ماضی کا صیغہ ہے بخود رہے) بیشک یہ ہماری پروردگار کی طرف سے حق و صدق ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ کیا انا لکنا من قبلہ مسلمین ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے۔ علاوہ اس کے دوسرے صفات بھی جو آیت میں ذکر کئے گئے ہیں ان میں موجود ہوں۔ لاؤ ایسے یہودیوں اور نصرانیوں کو پیش کرو۔ یہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے و لو کان بعضهم لبعض ظہیرا۔ اب تو معلوم ہوا کہ یہودیوں کی محبت کا اس طرح چپکے چپکے ظاہر کرنا کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہو یہ ہوتا ہے نتیجہ اللہ سے مخالفت کرنے اور ان کے مناقب مٹانے کی کوشش کرنے کا۔ امام کی محبت دل سے نکلتی ہے اور یہودیت اسکی جگہ لیتی ہے۔ افسوس ہزار افسوس۔

بہر طور ارباب ایمان کو یقین رکھنا پڑے گا کہ یہ بزرگوار دعوت اسلام ظاہری سے پہلے ہی مسلم تھے۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف قائل ہو اور پھر شیعہ ہو کر اس امر کا دعویٰ کرے تو اسے صاف اعلان کرنا چاہئے کہ جب تک اسلام کی دعوت ظاہری متحقق نہ ہوئی تھی اس سے قبل ان بزرگواروں کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور جب اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا تو لامحالہ کسی ایسے طریقے سے تعلق تھا جو خلاف اسلام تھا۔

واضح ہو کہ امیر المومنین سید المسلمین کی عمر مبارک دس گیارہ سال کی تھی جب اسلام کی دعوت آشکار ہوئی اور بنجیال مقترضین اسی وقت امیر المومنین بھی اسلام لائے تو اس سے پہلے جناب امیر المومنین کی عمر کا یہ حصہ کون سے دین کی پیروی میں بسر ہوا؟ اگر یہ کہا جائے کہ بسر تو کفر کی حالت میں ہوا لیکن بچے کا کفر معتبر نہیں ہے تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جب بچے کا کفر معتبر نہیں تو پھر اسکا اسلام کیوں معتبر ہونے لگا۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ علمائے اہل خلاف نے جو سبقت اسلام علی ابن ابیطالب پر اعتراض کیا ہے یعنی یہ کہ بچے کا اسلام معتبر نہیں وہ ان حضرات کے معتقدات کی رو سے بالکل صحیح ہے اور یہ بھی اسی عقیدے کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ الفاظ بدے ہوئے ہوں۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ افسوس ہے کہ شیعوں کے خیالات اور ان کے اعتقادات کس درجہ



مسموم ہو گئے ہیں۔

تحقیق مقام ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے اسلام لانے کے ہرگز وہ معنی نہیں ہیں جو عوام کے نزدیک مسلم ہیں۔ بلکہ اس سے مراد نفس تصدیق ہے یعنی علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اولاً تصدیق رسالت کا حقہ کی۔ اور تصدیق واقعی کسی شے کی وہی کر سکتا ہے جو اس کے متعلق اتنا علم رکھتا ہو کہ اس سے فوق متصور نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ شخص جو اس سے زیادہ اس شے کا علم رکھتا ہے وہی مصدق واقعی کہلائے گا نہ کہ یہ۔ اسی لئے حضرت امیر صلوات اللہ علیہ کے اسلام کی وہ شان ہے کہ جس کے مقابلہ میں کسی کلمہ اسلام نہیں آ سکتا۔ بلکہ یوں کہوں کہ جو شان اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے وہی اسلام جناب امیر کی۔ اور یہی شان باقی ائمہ میں موجود ہے۔ کیونکہ یہ سب بزر و فراعلمی ہیں۔ یہ اسلام وہ اسلام ہے جس کی منزلت کو انبیائے سابق میں سے کسی کا اسلام نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ مسلم حقیقی یہی ہیں اور دیگر انبیائے قبل کا اسلام انہیں کے اسلام کے ماتحت ہے۔ جو اگر قرآن میں تدبیر کرتے ہیں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی و علیہم السلام کی شان ایک جگہ قرآن نے یہ بیان کی ہے وکذبت نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولسیكون من الموقنین اسی طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کے ملکوت دکھا دئے اس لئے کہ وہ ابن الیقان ہیں سے ہوا۔

اپنا مطلب اظہار کرنے سے قبل ایک بات اس آیت کے متعلق سن لیجئے۔ جابر بن یزید جعفی نے (جو حاضرین اسرار میں سے تھے) حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت کی نسبت استفسار کیا حضرت نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور جابر سے کہا کہ اپنا سر اٹھاؤ۔ جابر کہتے ہیں کہ جب میں نے سر اٹھایا تو چہرہ کو مستغرق دیکھا۔ ایک سو راخ پر میری نظر پڑی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس سے میری نگاہ تجاوز کر گئی اس وقت حضرت نے فرمایا کہ اسی طرح ابراہیم نے ملکوت زمین و آسمان دیکھے تھے۔ اب تو زمین کی طرف دیکھو اور پھر اٹھا کر اٹھاؤ۔ جب میں نے سر اٹھایا تو سقف کو بجائے اول دیکھا اور پھر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا مکان سے باہر لے کر ایک کپڑا مجھے پہنایا۔ اور فرمایا کہ ایک ساعت اپنی آنکھیں بند کر لو میں نے تعمیل کی۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تم فلکات میں ہو جسے ذو القرنین نے دیکھا تھا میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں کچھ اس مقام پر راندھیرے کے سبب



نظر نہ آیا۔ پھر میں ایک قدم چلا۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تم حضر کے چشمہ حیات کے کنارے پر ہو  
پھر ہم اس عالم سے نکلے۔ یہاں تک کہ پانچ (عالموں) سے تجاوز کر گئے۔ حضرت نے فرمایا یہ ملکوت  
ارض ہے۔ پھر فرمایا آنکھیں بند کر لو اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یکایک ہم اسی مکان میں پہنچ گئے جس میں  
سے چلے تھے اور پھر وہ کپڑا اتار لیا جسے میں نے پہنا تھا۔

اس سے ملکوت ارض کی طرف اشارہ معلوم ہوا۔ اب آئے ملکوت السموات پر غور کریں  
اور دیکھیں کہ فی الحقیقت ملکوت السموات والارض کیا ہے۔

کحل الناظرین فی تفصیل الزہراء علی الانبیاء والمرسلین ہولفہ مولانا السید محمد مرتضیٰ جو نپوی  
میں معالم الزمقی ہے نقل کیا ہے۔

عن عبد اللہ بن ابی اوفی عن رسول اللہ انہ قال لما خلق اللہ ابراہیم الخلیل کشف  
لہ عن بصرہ فنظر الی جانب العرش نوراً فقال اللہ سیدی ما هذا النور فقال یا ابراہیم هذا  
محمد مصطفیٰ فقال اللہ وسیدی اری الی جانبہ نوراً اخر قال یا ابراہیم هذا علی  
ناصر دینی فقال اللہ وسیدی اری الی جانبہما نوراً ثالثاً لی النورین قال یا  
ابراہیم هذه فاطمة یلی ابائکم فبعلمنا فطمت معبہما من النار قال اللہ وسیدی  
اری نورین یلیان الثلاثة الا تواری قال یا ابراہیم هذان الحسن والحسین یلیان  
اباہما وامہما وجدہما قال اللہ وسیدی اری تسعة الوان احر قوا  
بالخمسة الا تواری قال یا ابراہیم هذه الائمة من ولدہم قال اللہ وسیدی  
وبین یعرفون قال یا ابراہیم اولہم علی ابن الحسن ومحمد ولد علی وجعفر ولد  
محمد وموسیٰ ولد جعفر وعلی ولد موسیٰ ومحمد ولد علی وعلی ولد محمد والحسن  
ولد علی وم۔ ح۔ م۔ د ولد الحسن القاسم المہدی قال اللہ وسیدی اری  
عدة الوان اولہم لا یحصى عدتہم الا انت قیل یا ابراہیم هؤلاء شیعتہم ومحبوہم  
قال اللہ وبین یعرفون شیعتہم ومحبوہم قال یا ابراہیم بصلوۃ احدا والخمسين و  
الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم والقنوت قبل الركوع وسجدة الشکر والتحم بالیمین  
قال ابراہیم اللہ اجعلنی من شیعتہم ومحبوہم قال قد جعلتک فانزل اللہ وان



من شیعۃ لا براہیم اذ جاء سارہ بقلب سلیم۔

عبداللہ ابن اوفی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کیا ہے کہ آل حضرت نے فرمایا کہ جس وقت خداوند جل و علا نے ابراہیم کو خلق فرمایا تو ان کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دے اس وقت ابراہیم نے جانب عرش نظر کی تو ایک نور ملاحظہ کیا۔ اور عرض کرنے لگے کہ اے میرے معبود۔ میرے سردار یہ نور کیا ہے؟ خطاب ہوا کہ یہ محمد میرا صفی ہے۔ عرض کی خداوند اس کے پہلو میں ایک اور نور بھی جلوہ افروز ہے ارشاد ہوا کہ یہ علی میرے دین کا ناصر ہے عرض کیا کہ یا بارالہ! ان دونوں کے پہلو میں ایک تیسرا نور بھی ہے۔ خطاب پہنچا کہ یہ فاطمہ ہے جو اپنے باپ اور اپنے شوہر سے متصل ہے اس نے اپنے محبوبوں کو جہنم سے چھڑالیا۔ عرض کیا خداوند! دو نور اور بھی ان تینوں انوار سے متصل ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ حسین ہیں جو اپنے باپ اور اپنی ماں اور اپنے جد کے نور سے متصل ہیں۔ عرض کیا یا بارالہ! تو نور اور ہیں جو انوار خمسہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم یہ ائمہ ہیں۔ جو ان خمسہ نجباء کی اولاد سے ہوں گے۔ عرض کیا خداوند! یہ کیونکر شناخت کئے جائیں دان کے نام کیا ہیں؟ فرمایا ان کا اول علی ابن الحسین ہے۔ پھر محمد ابن علی جعفر ابن محمد۔ موسیٰ بن جعفر۔ علی ابن موسیٰ۔ محمد ابن علی علی ابن محمد حسن بن علی۔ م۔ خ۔ م۔ م۔ بن الحسن القائم المہدی۔ عرض کیا خداوند! میں بہت سے انوار ان کے گرد بھی دیکھ رہا ہوں۔ جن کا شمار سوائے تیرے اور کوئی نہیں جانتا۔ خطاب پہنچا کہ اے ابراہیم یہ ان کے شیعہ اور ان کے محب ہیں۔ عرض کیا کہ ان کے شیعوں کی شناخت کیا ہے فرمایا! کیا وہ رکعت نماز پڑھنا۔ بسم اللہ بالجہر کہنا۔ رکوع سے قبل قنوت پڑھنا۔ سجدہ شکر بجالانا اور دائیں ہاتھ میں انگلی پھینکا۔ اس وقت ابراہیم عرض کرنے لگے کہ خداوند! مجھے بھی ان کے شیعوں میں سے قرار دے۔ حکم پہنچا کہ ہم نے قرار دیا۔ پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بتحقیق اس کے شیعوں میں سے البتہ ابراہیم ہے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لیکر آیا اس حدیث مقدس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم کو نور محمد و آل محمد کی زیارت کرائی گئی اور اسی نور کو ملکوت السموات والارض کہا گیا ہے اور اسی کو دیکھ کر حضرت ابراہیم درجہ حق الیقین پر فائز ہوئے۔ انہیں کی ولایت کو حضرت نے اپنی ملت قرار دیا۔ یہی ملت ابراہیمی قیامت تک



کے لئے واجب الاتباع قرار پائی جس سے سوائے بے وقوف اور احمق کے اور کوئی اعراض نہیں کر سکتا۔ ومن یرغب عن ملة ابراهيم الا من سقه نفسه انہیں کی عظمت و شان و جلالت قدر دیکھ کر آپ نے ان کا نام مسلم رکھا۔ یعنی یہی بزرگوار سالم از زوال و فنا و باقی ببقا رہے ہیں۔

ارباب یقین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مسلم اول یہی بزرگوار ہیں اور ایسے ہی بزرگوار کہہ سکتے ہیں ان کا نام قبلہ مسلمان یہی اس وقت سے مسلم ہیں جب مخلوق میں کسی دوسرے مسلم کا وجود نہ تھا۔ یہ اس وقت سے موجد ہیں جب ان کے سوا اور کوئی موجد نہ تھا۔ جس نے توحید سیکھی انہیں سے سیکھی۔ جبریل ان کے مکتب کے ادنیٰ شاگرد اور میکائیل ان کے دروازے کے معمولی پاسبان کونسی فضیلت ہے جو آل محمد کو نہیں ملی اور کونسی فضیلت ہے جو ان سے جدا رہ گئی بلکہ فضیلت فضیلت ہی نہیں ہے جب تک کہ اس کا وجود ان میں متحقق نہ ہو پس اب یہ کہنا کہ آیات سورہ قصص سے ان بزرگواروں کا کوئی تعلق نہیں ایک عناد و صریح ہے اور پھر ایسا عناد جو دوستی کے پردہ میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔ یہ بدترین عناد ہے اللہم احفظنا من شر ودا انفسنا۔

وہ اسلام جس کی ہم بحث کر رہے ہیں اس کی مزید توضیح کے لئے آیات سورہ بقرہ و احزاب ہوں۔ واذیرفع ابراہیم القواعد من البيت و اسمعيل من قبل من انك انت السميع العليم۔ سر بٹا و اجعلنا مسلمین لك و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لك و اسرنا منا سکنا و تب علینا انك انت التواب الرحیم۔ سر بنا و ابعت فیہم رسولا منهم یتلوا علیہم آیاتك و یعلمہم الكتاب والحكمة ویزکیہم انك انت العزيز الحكیم۔

اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیم و اسمعیل خانہ کعبہ کی دیواریں بناتے جاتے رہے ہیں اور دعا کرتے جاتے ہیں کہ خداوند ہمارے ان خدشات کو قبول فرما یہ تحقیق کہ تو سمیع و علیم ہے۔ خداوند! اور ہم دونوں کو اپنا مسلمان بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت مسلمہ پیدا کر ہمیں ہماری عبادت کے مقامات یا طریقے دکھا ہماری بازگشت کو قبول فرما بیشک تو ہی بازگشت کو قبول کرنے والا اور صاحب رحمت ہے۔ خداوند! اسی امت مسلمہ میں ایک رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ ان کا تزکیہ کرے دتزیکیہ کا اعلان کرے، تحقیق کہ وہ صاحب عزت و صاحب حکمت ہے۔



ان آیات سے بہت سی مطالب استخراج کئے جاسکتے ہیں۔ مختصر اشارہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت میں ایک امت مسلمہ کی درخواست کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امت مسلمہ کے لئے ایسے ہی اسلام کی خواہش فرمائی ہے جیسے کہ خود ان کا اسلام تھا۔ اسی امت مسلمہ میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کی بھی دعا ہے جس سے صریح یہ نکلتا ہے کہ امت مسلمہ موجود ہو اور اس میں سے ایک رسول ظاہر ہو یہ نہیں کہ جب رسول مبعوث ہو چکے تو اس کی بعثت کے سبب سے وہ گروہ اسلام لائے۔ ان امور کو مد نظر رکھ کر دیکھ لیجئے کہ ذریت ابراہیمی میں ایسا کونسا گروہ ہے جو واقعی امت مسلمہ کہلانے کا مستحق ہے اور اسی میں سے ایک رسول کی بعثت ہوئی۔ جس نے اس امت مسلمہ پر آیات الہی کی تلاوت کی انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی انکا تزکیہ کیا۔ انما یرید اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب صاحبان فکر غور کریں کہ اس امت مسلمہ پر جس کا وجود وقت بعثت موجود تھا جب آیات الہی کی تلاوت کی گئی ہوگی تو اُسے ان آیات کو سن کر کیا جواب دیا ہوگا اور اسی جواب دینا چاہئے تھا۔ سوائے اس کے کہ یہ گروہ اور کچھ جواب نہیں دے سکتا تھا یعنی انما یرید الحق من ربنا انا کننا من قبلہ مسلمین پس اندریں سورۃ آیات سورہ قصص آیات سورہ بقرہ کی توضیح کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کر رہی ہیں کہ دعائے خلیل مستجاب ہوئی۔ انکی ذریت سے ایک امت مسلمہ کا ظہور ہوا اسی امت مسلمہ میں سے ایک رسول مبعوث ہوا اس نے آیات الہی کی تلاوت کی جنہیں سن کر امت مسلمہ نے تصدیق کرتے ہوئے اس امر کا بھی اعلان کیا کہ حسب دعائے ابراہیمی ہمارا وجود بعثت ظاہری سے قبل موجود ہے۔ اور ہم اس سے پہلے ہی مسلم ہیں۔

اس تطابق واقعات کو دیکھتے ہوئے کون ایسا مرد مومن ہے جو آیات سورہ قصص کو ائمہ علیہم السلام سے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ الا من سلفہ نفسہ

سب سے مشہور آیت ان بزرگواروں کے سبقت اسلام کے متعلق آیہ تطہیر ہے۔ یہ وہ معرکہ الارآیت ہے جسے ہمیشہ علمائے شیعہ نے مخالفین کے سامنے بطور ایک حجت قاہرہ کو پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسی آیت ہے جو تقریباً ہر پڑھے لکھے شیعہ کی زبان پر ہے۔ ہم اسی آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر بتاتے ہیں کہ سورہ قصص کی آیت کا مواد سوائے



انہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ سبحانہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اهل  
اللبیت و یطہرکم تطہیراً

جزا میں نیت کہ خداوند عالم ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ رجس کو بالکل دور کر دے  
اور تمہیں ایسا پاک کرے جو پاک کرنے کا حق ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ مفہوم آیت تطہیر مطلق کا مقتضی ہے یعنی جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں

ان سے جس قطعاً دور ہو اور وہ ہر طرح سے ظاہر و مظهر ہوں۔ اور یہ ارادہ خدائی ہے  
اس ارادہ کے متعلق دیکھنا یہ ہے کہ یہ ارادہ تکلیفی ہے یا تکوینی اگر اس ارادہ کو تکلیفی تسلیم  
کیا جائے یعنی اس کا پورا کرنا مخاطبین کے افعال پر موقوف ہو تو مشکل اور سخت مشکل ہے بلکہ  
یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہے جو کسی حکیم کی طرف سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ  
مفہوم آیت جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے تطہیر مطلق کا مقتضی ہے۔ چنانچہ آیت کا شروع لفظ  
انما سے ہوا ہے اور اختتام مفعول مطلق پر تاکید سے ہی شروع ہے اور تاکید پر ہی ختم۔

اب یہ بھی اندازہ کرو کہ تطہیر مطلق کے معنی کیا ہیں؟ تطہیر مطلق کے معنی یہ ہیں کہ من المہد الی  
اللحد کسی قسم کی خرابی۔ برائی۔ نجاست۔ مخاطب سے ظاہر نہ ہو۔ ظاہر نہ ہونا کیا معنی اس میں  
موجود ہی نہ ہو۔ ہر حالت میں طہارت و عصمت کی گود میں اسکی بسر ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم  
کی تطہیر انسان کے قبضے سے باہر ہے۔ یعنی وہ بطور خود ہرگز اس قسم کی طہارت حاصل نہیں  
کر سکتا اور کسی شخص میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے نطفے کو جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہے  
سوائے ارحام مطہرات و اصلااب طاہرین کے دوسری جگہ منتقل نہ ہونے دے یہ بات صرف ایسے  
لوگوں کے لئے ہے جسکی شان یہ ہو۔ الذی یرید حین تقوم و تقبلك فی الساجدین۔

یعنی ایسی غیر خدا وہ ہے جو تیرے قیام کو جب تو ظاہر ہو کر دعوت الے الحق کو لئے کھڑا ہوام اور  
تیرے قلب فی الساجدین کو جب تو ایک سجدہ کرنے والے کی پشت سے دوسرے سجدہ کر نیوالے  
کی پشت میں منتقل ہو رہا تھا، دیکھ رہا ہے دہر حالت میں تیرا محافظ ہے، پس اس قسم کی تطہیر  
حاصل نہیں ہو سکتی مگر بوہبت الہی و عطیہ خداوندی یہ انسان کے بس کا کام نہیں کوئی مخلوق اس  
قسم کی تطہیر بطور خود حاصل نہیں کر سکتی لہذا معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میں ارادہ الہی ارادہ تکلیفی



نہیں ہے جس کا پورا ہونا بندوں کے افعال پر موقوف ہو بلکہ یہ ارادہ تکوینی ہے جس کا تعاقب صرف ذات باری سے ہے۔

جب یہ محقق ہو چکا کہ یہاں ارادہ اپنی تکوین کی شان لئے جوئے ہے تو اب اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان لوگوں کو جو آیت کے مخاطب ہیں خدا نے ظاہر و مظهر خلق فرمایا اور ہر قسم کی نجات سے انھیں محفوظ رکھا اس مقام پر بھی دو شکیں ہیں یا تو وقت خلقت انھیں تھوڑی سی تطہیر عطا فرمائی اور پھر رفتہ رفتہ انھیں تطہیر کامل کے عرش پر پہنچا دیا۔ یا یہ کہ ابتدا سے ہی کامل و مکمل تطہیر انھیں عطا کی۔ شق اول مہمل اور باطل ہے اس لئے کہ اول تو مفہوم آیت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ کوئی ایسی وجہ حکمی موجود نہیں جس کی بنا پر ایسے بزرگوں کو اولاً تطہیر کامل سے محروم رکھا جائے۔ پس جب شق اول باطل ٹھہری تو لا محالہ شق ثانی کا ثبوت ہو گیا۔ یعنی یہ کہ خداوند عالم نے انہیں اول خلقت میں ہی خلعت تطہیر کامل سے سرفراز کیا۔

اتنا معلوم ہونے کے بعد اب خیال فرمائے کہ تطہیر کامل نہیں مل سکتی مگر موجد کامل کو اور موجد کامل نہیں ہو سکتا مگر مسلم حقیقی۔ لہذا معلوم ہوا کہ بزرگوار ابتداء خلقت سے ہی موجد کامل اور مسلم حقیقی تھے اور ان کا کمال اس پیمانہ پر تھا کہ جس پر ان کا سایہ نطفہ پڑ گیا وہ بھی کامل ہو گیا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبحنا فضیحت الملائکۃ بتسبیحنا وقد سنا فقد ست الملائکۃ بتقدیسنا۔ اسی ریت ہم نے خدا کی تسبیح کی اور ہماری تسبیح کے سبب سے ملائکہ نے تسبیح کی ہم نے تقدیس کی پس ہماری تقدیس کے سبب سے ملائکہ تقدیس کرنے لگے۔

بعض جہال نے یہ شبہ دماغوں میں پیدا کر دیا ہے کہ عالم ارواح کی حالتیں اور ہیں اور عالم اجسام کی اور جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ عالم انوار میں یہ جن کمالات کے حامل تھے ضروری نہیں ہے کہ عالم اجسام میں بھی ان میں وہی کمالات پائے جائیں۔ یہ جابلانہ شبہ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی تاریک نفوس پر ان بزرگوں کو قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس سے ممانعت اور سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ قال سیدنا ابو موسیٰ بن امیر المؤمنین علیہ السلام یا سلمان ان صفتنا



اذا مات لم يمت وان قتلنا اذا قتل لم يقتل وان غابنا اذا غاب لم يغيب ولم نلد ولم نولد  
 في البطون ولا يقاس بنا احد من الناس۔ اے سلمان ہم میں سے کوئی مر جائے تو وہ مردہ نہیں  
 اور ہمارا قتل اگر قتل کیا جائے تو وہ قتل نہیں ہوا اور ہم میں سے اگر کوئی غائب ہو تو وہ غائب نہیں ہوا  
 اور ہمارا سلسلہ تو والد و ناسل بطون میں نہیں ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی ہم پر قیاس نہیں  
 کیا جاسکتا۔ اس حدیث مقدس کی صرف آخری فقرے سے ہمارا مطلب اس مقام پر متعلق  
 ہے اور یہ فقرہ متعدد احادیث میں موجود ہے مگر یا لوگ پھر بھی باز نہیں آتے وہ برابر اپنے  
 ہی نفس پر انھیں قیاس کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ان کے مخالفین نے ہمیشہ یہ اعتراض  
 کیا ہے۔ ان انتم الہ بشر مثلنا تم تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو دھرم پر یہ خدائی انعامات کیسے  
 ہو سکتے ہیں، اسی گڑھے میں وہ جماعت بھی گر رہی ہے جو دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے  
 نفس پر الہ الہیت علیہم السلام کا قیاس کر رہی ہے۔ بہر طور اہل دیانت کے نزدیک یہ شبہ  
 بالکل باطل ہے جس کا ماخذ سوائے عدم ایمان اور کوئی چیز نہیں۔ ارشاد مشہور لہ  
 تنجسکم الجاہلیۃ بانجساحہا میں "لہ" ماضی منفی کے معنی دے رہا ہے اور اس فقرے کے  
 یہی معنی ہیں کہ تمہیں (اے صاحبانِ نظیر مطلق) کسی حالت میں بھی جاہلیت نے مس نہیں کیا۔  
 جس کا مفہوم یہی نکلے گا کہ وہ ایک آلِ واحد کے لئے بھی اسلام سے الگ نہیں ہوئے۔  
 واضح ہو کہ حقیقت جاہلیت (کفر، ظلمت) ہے اور حقیقت اسلام نور پس نورانی مخلوق میں  
 ظلمت کا اثبات کرنا ہے اس حقیقت ان کی نورانیت سے انکار کرنا ہے اور اثباتِ ظلمت ہی ہے کہ  
 ان کے لئے سوائے دین اسلام کسی حالت میں بھی، کوئی دوسرا دین ثابت کرنے کی لغو کوشش  
 کی جائے ان الدین عند اللہ الا سلام دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے ومن  
 یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو شخص سوائے اسلام کے اور کوئی دین اختیار  
 کرے تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

غرض یہ آیت دانی ہدایت صریح دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ اس کے مخاطب ہر قسم کی  
 نجاستوں سے الگ ہیں اور ہمیشہ سے حاملِ اسلام نبوتی ہیں پس ایسے ہی لوگ حقیقی طور پر  
 کہہ سکتے ہیں انا کنا من قبلہ مسلمین ہم پہلے ہی سے مسلم تھے پس اس آیت سورہ قصص کی



مورد صحیح ہی بزرگوار ہیں نہ کہ غیر۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر کیا سوچ کر انکار کیا گیا ہے اور کس دلیل پر اس دعوے کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ کیا یہ مضمون اصول عقلیہ سے منافات رکھتا ہے یا احادیث اس کے خلاف پر دال ہیں۔ آخر ہے کیا معاملہ؟ اگر معترض کا دل کو قبول نہیں کرتا قبول کرنا تو معیا صدق نہیں ہے ان کا دل کج ہو گیا ہے۔ وہ کیونکر صراطِ مستقیم کو قبول کر سکتا ہے۔

اس تمام بحث سے ناظرین اس یقین تک پہنچ گئے ہوں گے کہ آیات سورہ قصص کے مورد صحیح ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں جس کے متعلق کافی توضیح کی جا چکی ہے اور معترض نے جو اس انکار کیا ہے۔ اس انکار کی وجہ سمجھ میں آتی ہیں یا تو وہ قرآن و حدیث سے جاہل ہے یا وہ کسی اور مذہب کا آدمی ہے جو لباس تشیع پہن کر شیعوں کے عقائد خراب کرنا چاہتا ہو۔

فی الحقیقتہ یہ اسلام جس کی بحث کی جا رہی ہے یعنی اسلام بلا واسطہ یہ خصوصیات نبوت و امامت میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ کے بزرگوار سب ایسے ہی اسلام کے حامل ہوتے ہیں۔ ہم برسمیل تنزل یہ دریافت کرنے کے مجاز ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اکل مولود یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یهودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے ماں باپ خواہ اس کو یہودی بنالیں یا نصرانی یا مجوسی۔ پس جب کہ ہر ایک بچہ کے لئے اسلام پر پیدا ہونا ثابت ہے تو ائمہ علیہم السلام کے لئے کیوں اتنے استبعادات کئے جا رہے ہیں بیشک حضرت علی قبل ظہور اسلام مسلم تھے کیونکہ یہ حدیث تو ہر ایک مولود کے لئے اسلام ثابت کر رہی ہے پھر علی مرتضیٰ کو اس سے کیوں خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ تو اچھی خاصی دشمنی ٹھہری ہاں! اس صورت میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ہر ایک مولود کے لئے یہ بات ثابت ہو تو پھر ائمہ کے لئے ایسے اسلام میں کوئی فضیلت نکل آئے گی۔ یہ خیال بھی قصور نظر کی وجہ سے ہے ورنہ ان بزرگواروں میں اور دیگر عوام الناس میں جو جو امور ماہر لایا نہیں وہ بالکل روشن اور برہین ہیں۔ سنئے!

۱، دوسرے موالید کی فطرت میں تغیر و تغیر ہو سکتا ہے۔ یہاں تغیر کو دخل نہیں مثال بودو ہے۔ اور صریح مثال وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل کی تربیت ان کے چچا آذر کے







شان عن شان اسکی شان ہے۔ یہی عالم اس کے مظاہر تمامہ اور کمات عین کا ہے۔  
 ہم خیال کرتے ہیں کہ آیہ زیر بحث "افا کننا من قبلہ مسلمین" کے متعلق ہم نے کافی طور پر  
 لکھ دیا ہے۔ اب اگر دلوں کی کچی قبول کرنے سے باز رکھے یا یہ تعصب کہ ہم چونکہ عالم غلامہ و  
 فاضل فہامہ ہیں کیونکر اپنی غلطی قبول کریں؟ راہ حق تک نہ آنے دے تو اس میں کسی کا  
 اختیار نہیں۔ یہیں اثبات فضائل و مناقب مبارک انھیں انکار۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی  
 العظیم۔

ہم نے بحث اٹھائی تھی منظریت کی اور یہ بحث ایک طویل بحث ہے اور یہ ایک ایسا  
 اصول محکم ہے کہ مابقی تمام کمالات اسی کے فروع ہیں۔ لہذا اس بحث کی تکمیل کا خیال تو  
 ایک عبث خیال ہے۔ لو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلامٌ والبحر یمد کا من بعد کا سبب  
 ابھر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم اگر زمین میں جتنے بھی اشجار ہیں قلم بنجائیں  
 اور ایک سمندر (سیاہی) ختم ہوئے کے بعد ساتوں سمندر اس سے لمجائیں پھر بھی کلمات الہیہ  
 ختم نہیں ہو سکتے۔ تحقیق کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ اور یہی عزت و حکمت دلیل ہے اس کی کلمات  
 کے ختم نہ ہونے کی۔ پس جب حضرت ظاہر کی یہ شان ہے تو منظر جو اسی کی مشون کا آئینہ ہے  
 کیونکر اس کے کمالات کا احاطہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق  
 حدیث مشہور ہے کہ اگر دنیا کے درخت قلم بنجائیں سمندر سیاہی کی شکل میں تبدیل ہوں اور جن  
 وانس حساب کرنے والے پھر بھی فضائل علی ابن ابی طالب کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ عجب نہیں  
 کہ یہ حدیث اسی آیہ مجیدہ سے ماخوذ ہو۔ اور لفظ "کلمات اللہ" سے اس خیال کی اور بھی تفسیر  
 ہوتی ہے۔ اس خیال کی تردید کا آسان لٹکا بنی ہم بتائے دیتے ہیں وہ یہ کہ حدیث کسی  
 غالی کی بنائی ہوئی ہے چلے چھٹی ہوئی۔

اسی مسئلہ منظریت کو مد نظر رکھتے ہوئے ملاحظہ فرمائے کہ خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ میں سے  
 ایک اسم "صبور" بھی ہے۔ یعنی بہت بڑا صبر کرنے والا اس اسم سے معلوم ہوا کہ صبر فی الحقیقہ  
 صفات الوہیت میں سے ہے اور بہت بڑی چیز ہے پس یہ صفت اس کے مظاہر تمامہ سے بھی پوشیدہ  
 کمال کے ساتھ باورہ کر ہوگی۔ بلکہ اسی صفت کا ظہور ان کے مقامات کو جانچنے کیلئے ایک معیار ہے



اور اسی صفت صبر کی بنا پر انہیں یت سے امور تفویض ہوئے ہیں اسی صفت سے ان کی کمالات  
 علیہ پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ جب تک انسان کو کسی چیز کے مالہ و ماعلیہ کا علم نہ ہوگا اس پر  
 صبر نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جس کے لئے مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں  
 حضرت خضر کا قول حضرت موسیٰ سے خطاب کرتے ہوئے قرآن میں موجود ہے "انک لن  
 تستطیع مع صبر او کیف تصبر و اعلم ما لم یحط بہ خبر اتم ہرگز میرے ہمراہ صبر نہ کر سکو گے  
 اور کیونکہ صبر کر سکتے ہو اس چیز پر جس کا علم احاطی تم کو حاصل نہیں ہے۔ اس ارشاد  
 عالم حقیقت سے ظاہر ہوا ہے کہ صابر وہی ہوگا جس کا علم حقایق اشیا کا محیط ہوگا۔ یا  
 یوں کہو کہ جس کا علم محیط ہوگا صفت صبر کا ظہور اسی سے بطور کمال جلوہ گر ہوگا۔

اسی صفت صبر کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو کلام اللہ میں ایسی آیات نظر آئیں گی جن سے  
 امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام پر روشنی پڑے گی اور معلوم ہوگا کہ امام کے صفات کیا ہیں۔  
 قبل اس کے کہ اس آیت کا ذکر کیا جائے مندرجہ ذیل حدیثوں کا مضمون آپ کو پیش  
 نظر رکھنا ہوگا۔

س دی العیاشی باسنادہ عن جابر قال سالت ابا جعفر علیہ السلام عن شی من  
 تفسیر القرآن فاجابنی ثم سالت ثانیۃ فاجابنی بجواب اخر فقلت جعلت فداک  
 احیب فی هذه المسئلة بجواب غیر هذا قبل الیوم فقال لی یا جابر ان القرآن بطناً  
 وللبطن بطنٌ وظہراً وللظہر ظہرٌ یا جابر لیس شیء ابعد من عقول الرجال من تفسیر القرآن  
 ان الایۃ لیکون اولها فی شیءٍ و آخرها فی شیءٍ و هو کلام متصل یتصرف علی وجہ (دعائی)  
 عیاشی علیہ الرحمہ نے اسناد خود جابر سے روایت کی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت  
 ابو جعفر امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تفسیر قرآن میں سے ایک بات پوچھی آپ نے  
 مجھے جواب دیا پھر میں نے دوبارہ اسی کے متعلق پوچھا آپ نے مجھے دوسرا جواب دیا۔ میں نے  
 عرض کی قربانت شوم آپ نے پہلے اس مسئلہ میں اور جواب مرحمت فرمایا ہے جو اس جواب کے  
 مفائر ہے آپ نے فرمایا اسے جابر قرآن کے لئے باطن ہے اور باطن کے لئے باطن۔ اس کا  
 ایک ظاہر ہے اور ظاہر کے لئے ظاہر۔ اے جابر تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی چیز لوگوں کی عقلوں



مجید تر نہیں۔ تحقیق حالت یہ ہے کہ آیت کا اول کسی چیز کے بارہ میں ہے اور  
 انگریزی دوسری چیز کے بارے میں قرآن مجید ایک کلام متصل ہے جو وجوہ  
 مختلف رکھتا ہے۔

اس حدیث سے ناگزیر بخوبی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ کلام مجید وجود مختلف کا حامل  
 ہے۔ فی الحقیقت یہی شان اعجاز ہے کہ ایک جملہ میں ہزار ہا مطالب ختم ہو گئے یہی سبب ہے  
 کہ آیات کے متعلق آپ کو احادیث مختلف ملیں گی۔ اس اختلاف کا راز اس حدیث نے کھول دیا ہے  
 ایسی حالت میں احادیث مختلف کو دیکھ کر بلا سمجھے سوچے کسی حدیث کا انکار کر دینا سفاہت میں داخل  
 ہو گا یا نہیں؟

وَبِالنَّاسِ أَذَىٰ عَنْ حَسْرَاتِ بْنِ أَعْيُنٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ظَهَرَ الْقُرْآنُ الَّذِينَ  
 نَزَلَ فِيهِمْ وَبَطَنُ الْقُرْآنِ الَّذِينَ عَمِلُوا بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ

اسی بزرگوار نے اسناد خود حمران بن اعین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت باقر ع  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر قرآن وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں نازل ہوا اور باطن  
 قرآن وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے اعمال کے مطابق عمل کئے۔

اس حدیث سے تنزیل و تاویل کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی  
 آیت کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کا اثر وہیں تک محدود رہ گیا  
 بلکہ جو شخص بھی اس کا عمل میں مشاغل ہو گا۔ وہی اس آیت کے ماتحت آجائے گا۔

جب یہ مطلب ذہن نشین ہو چکا تو اب ملاحظہ فرمائے کہ مظاہر صبر الوہیت سے ظہور صفت  
 صبر کا کیا نتیجہ نکلا اور وہ دنیا کو کس منزلت پر فائز نظر آئے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ وجعلنا  
 منهم ائمة يهتدون بامثالهم صبر وادکانا بائتنا یوقنون اور ہم نے ان میں سے امام قرار  
 دیئے۔ جبکہ انہوں نے صبر اختیار کیا وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور وہ ہماری  
 نشانیاں پر ایمان لائے تھے۔

اس آیت کا پہلا حصہ ولقد آتینا موسیٰ الکتاب الخ بنی اسرائیل سے متعلق ہے اور اس  
 سباق و مسباق سے وہم جو سکتا ہے کہ آیت کا تعلق تنزیلی انبیاء بنی اسرائیل سے ہے مگر دیکھنا



یہ ہے کہ یہ قانون جو اس آیت میں بیان کیا ہے وہ کسی دوسرے مقام پر تبدیل ہو جائے گا۔  
 واضح ہو کہ اس آیت میں ائمہ کی دو صفتیں بطور شرط پڑی ہوئی ہیں۔ یعنی سب اور ایقان  
 بآیات الہی۔ پس جہاں جہاں یہ شرطیں متحقق ہونگی وہاں امامت کا تحقق ہوتا چلا جائیگا۔ بلکہ  
 جہاں یہ صفات بطور کمال موجود ہوں گی وہاں امامت کا وجود بطور کمال ہوگا۔ اور مقصود اعلیٰ  
 وہی ہوں گے۔ اب برسہیل تنزل کہا جاسکتا ہے کہ آیت ظاہری طور پر تو انبیائے بنی اسرائیل  
 سے متعلق ہے لیکن باطناً تمام ائمہ کو شامل ہے۔

اہل عقل کو معلوم ہونا چاہئے کہ ائمہ آل محمد علیہم السلام سے ان صفات کا ظہور بدرجہ اتم  
 ہوا لہذا آیت کا تعلق ان سے بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اگرچہ اس کا نزول انبیاء بنی اسرائیل علیہ السلام سے  
 تعلق رکھتا ہو۔ ارشاد معصوم و بطن القرآن الذین عملوا بمثل اسمائہم جو پہلے بیان ہو چکا  
 ہمارے دعوے کا تباہ حال ہو۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا تعلق اس آیت سے  
 کیونکر ہو گیا۔

اس تعلق کو سمجھنے کے بعد آپ ایک خوش مذاق معترض کے ذہن کی داد دیجئے۔ فرماتے ہیں۔  
 اور کتاب مذکور (صراط السوی) کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے وجعلناہم ائمة یصدون بامرنا لما  
 صبروا "ہم نہیں ہے منہم" کہئے کلام غزالیں اصلاح نہ دیجئے۔ مؤلف (اور یہ ائمہ اور شہداء  
 علی الخلق ذریت ابراہیم و عترت خاتم النبیین علی واداد علی ائمہ اثنا عشری ہوئے ہیں حالانکہ  
 آیہ شریفہ وجعلناہم ائمة یصدون بامرنا صبروا جزو ۲۱ سورۃ سجدہ کو حضرات ائمہ اثنا عشر  
 علیہم السلام سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اس میں ائمہ سے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام یا انکے  
 وہ مخصوص رؤسا مراد ہیں جو امور خیر کی ہدایت کرتے تھے جیسا کہ کتب تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ اعتراض عجیب و غریب افادات پر مبنی ہے اور خدا جانے وہ کتب تفاسیر کو سنیں ہیں جن کا  
 حوالہ معترض نے دیا ہے اگر کوئی عبارت نقل کی جاتی تو دیکھنے کا موقع ملتا اور معلوم ہوتا کہ آپ  
 کتب تفاسیر کو کس حد تک سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ہاں جناب بنی اسرائیل کے ان مخصوص  
 رؤسا کے تو نام ذکر فرمائے جو اس آیت کے مصداق ہیں۔ آپ نے بیان یہ فرمایا ہے کہ یا تو  
 اس سے انبیاء مراد ہیں یا مخصوص رؤسا۔ تحقیقی بات آپ کے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ یا یہ ہے



یا وہ سبے یایوں ہوگا یا دوں ہوگا۔

بندہ پروران فضولیات سے کام نہیں چلتا جس امر کا دعویٰ کیا ہے اس کا ثبوت کامل پیش کیجئے۔ ورنہ اس قسم کے فضول ولایعنی کلمات سے سوائے اس کے کہ علمی دنیا میں آپکا مضحکہ اڑے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ علوم قرآنیہ سے آپ قطعاً ناایلدہیں۔ احادیث سے آپ بالکل کورے ہیں پھر معلوم نہیں کونسی بات پر کوس لمن الملک بجایا جارہا ہے۔ کوئی عالم ستدین ایسے نحیف کلمات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔

واضح ہو کہ کتاب اللہ میں اللہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم اللہ کی ہے وجعلنا ہم ائمة یدعون الی النار یعنی ایسے پیشوا ہیں جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے پیروؤں سمیت جہنم کا ایندہن ہیں دوسری قسم کے اللہ کی شان یہ ہے۔ وجعلنا منهم ائمة یمدون بامرنا اس کے سوا کوئی تیسری قسم اللہ کی کتاب اللہ میں موجود نہیں بلکہ عقلاً متصور نہیں۔ اب وہ اللہ جنکی شان ہے۔ "یمدون بامرنا" ان کا ذکر ایک تو اسی آیت میں ہے اور دوسری مقام پر ان کا ذکر ہے سورہ انبیاء میں بایں الفاظ "وجعلنا ہم ائمة یمدون بامرنا وادحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین" ان دونوں آیتوں کی نسبت آپ نے انکار کیا ہے اور زور شور کے ساتھ کیا ہے کہ اللہ اثنا عشر علیہم السلام کا ان آیتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر جب ان آیتوں سے ان کا تعلق نہیں تو اُمت ابراہیمی سے تو بدرجہ اوئے نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امامت بھی تو ہدایت امری ہی ہے جس کا آپ کو انکار ہے۔ اب ہر بانی فرما کر جواب دیجئے کہ اللہ علیہم السلام کی امامت کی نسبت آپ کا کیا عقیدہ ہے اور یہ امامت کتاب اللہ کی کونسی آیت کے ماتحت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نے لباس تشیع پہن کر ایک زبردست فتنے کی بنیاد ڈالی ہے۔ آپ ضرور درپردہ معاندین سے تعلق رکھتے ہیں پس اپنے عقائد کی نسبت پہلے کو اطلاع دیجئے۔ اور شیعہ پہلے کا فرض ہے کہ وہ ان سے سوال کرے کہ آپ کے نزدیک اللہ الہیت علیہم السلام کونسی صنف سے تعلق رکھتی ہیں فی الکافی عن الصادق علیہ السلام ان الائمہ فی کتاب اللہ عزوجل اما فان



قال الله تبارك وتعالى وجعلناهم ائمة يهدون باصنا كايماص الناس يقدمون  
ما امر الله قبل امرهم وحكم الله قبل حكمهم قال وجعلناهم ائمة يهدون الى الناس  
يقدمون امرهم قبل امر الله وحكمهم قبل حكم الله وياخذون باهوائهم خلاف  
ما في كتاب الله -

کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تحقیق کتاب اللہ میں دو قسم کے امام  
ہیں (۱) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے ان کو امام گردانا وہ ہمارے امر سے ہدایت  
کرتے ہیں یعنی لوگوں کے امر سے وہ ہدایت نہیں کرتے اور اپنے حکم پر خدا کے حکم کو اور اپنے امر  
پر خدا کے امر کو مقدم رکھتے ہیں (اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کرتے) (۲) اور فرمایا ہم نے  
ان کو امام گردانا جو آگ کی طرف بلا تے ہیں خدا کے امر پر اپنے امر کو اور خدا کے حکم پر اپنے حکم  
کو مقدم رکھتے ہیں اپنی خواہش نفس سے خلاف کتاب اللہ (احکام) اخذ کرتے ہیں  
واضح ہوا امام علیہ السلام نے ائمہ حق کی امامت اسی آیت سے اخذ فرمائی ہے جس سے معترض  
صاحب کو انکار ہے۔ پس اب اس جاہل معترض کو جو نہ اصول عقلیہ فطریہ سے واقف ہے نہ  
کتاب خدا اور احادیث معصومین کی اسے ہوالگی ہے صاف اعلان کرنا چاہئے کہ ائمہ اثنا عشر  
علیہم السلام کی امامت ان آیات سے مستنبط نہیں ہوتی۔ شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ جاہل  
صریحاً قول معصومین کی تردید کر رہا ہے۔ اور پھر اس پر دعویٰ یہ ہے کہ میں غلط عقائد کی  
اصلاح کر رہا ہوں واذا قبل لهم لا تقصدوا في الارض قالوا انما نحن مصلحون الا  
انهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون۔ جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو  
انہوں نے کہا نہیں جی ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ یہی ماں ہی مفسد ہیں لیکن  
داس کے ساتھ بے شعور (بھی) ہیں۔ واضح ہو کہ سب سے بڑا فساد۔ فساد فی الدین ہے۔ اور  
فساد فی الدین اس سے زیادہ ہرگز متصور نہیں ہو سکتا کہ صاحبان عصمت و طہارت و معاون  
علوم الہی کے ارشادات کی تکذیب کی جائے کتاب اللہ کو پس پشت ڈالا جائے اور اپنی ہوا  
و ہوس کے موافق احکام صادر کئے جائیں جیسا کہ اس معاند معترض نے رو بہ اختیار کیا ہے  
ایک شیخی فاضل کا یہ ارشاد کہ ایسی کتاب (صراط السوی) جس نے میرزا نئی و احمدی خیالات کو



مستاصل کر دیا اور فضائل و کمالات نبوت و امامت کو کالشمس فی رابعة النهار آشکارا کر دیا وہ صحیفہ اور تنقید (وہ بھی ایک مدعی تشیع کی طرف سے مؤلف) یہ امر عجیب و غریب ہے " اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ شیعہ اہل علم اس جدید فساد پر حیرت ظاہر کر رہے ہیں۔

خیر ان معاندین کو چھوڑتے اپنے مطلب پر آئے آیت مذکورہ کا تعلق ائمہ الہدیت علیہم السلام سے بدرجہ ادنیٰ ہی بموجب اصول تفسیر و ارشاد معصوم جہال کے انکار سے کچھ نہیں ہو سکتا ان کا شیوہ تو ہمیشہ سے انکاری رہا ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ منازل صبر و ایقان پر ائمہ علیہم السلام کا قبضہ بدرجہ اتم ہے۔ انہیں بزرگواروں میں سے ایک کا ارشاد ہے لو کشف الغطا لما امر ددت یقیناً۔

انہیں بزرگواروں میں سے ایک بزرگوار کے صبر و ایقان کو دیکھ کر انبیاء و رسل و ملائکہ مقربین دریائے حیرت میں غرق ہیں پس ان کی امامت اگر اس آیت سے مستحق نہ ہوگی تو پھر کس کی ہوگی۔ در آنحالیکہ انبیائے بنی اسرائیل کا صبر و ایقان ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ پس صبر مطلق کی منظر اتم یقیناً صاحبان امامت مطلقہ ہیں۔

واضح ہو کہ اس آیت نیز اس کے مثل دوسری آیتوں نے مسئلہ امامت کو آئینہ کر دیا ہے اب کسی کے دل میں امامت کی طرف سے کوئی کمی باقی نہیں رہ سکتی۔ الا من فی قلبہ شیء اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امامت کیا چیز ہے۔

اب امامت کا ذکر آگیا ہے لہذا اہل ایمان کی بصیرت کے لئے علامات امام تحریر کی جاتی ہیں۔ سادۃ الصنادق رحمۃ اللہ علیہ نے الفقیہ عن ابی الحسن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام قال الامام علامات

صدوق علیہ الرحمہ نے فقیہ میں حضرت امام ضامن ثامن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے علامتیں ہوتی ہیں۔ یکون اعلم الناس و احکم الناس و اتقٰ الناس۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور سب سے بہتر صاحب حکم اور سب سے بڑھکر متقی ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ پہلی علامت جو امام نے بیان فرمائی ہے وہ علم ہے۔ فی الحقیقہ علم ہی



ایک ایسی چیز ہے۔ جو اصل کمالات ہے اور باقی کمالات اسی کی فرع ہیں۔ اول شے جو جبابہ قدرت سے ظاہر ہوئی وہ علم ہی ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد نبویؐ اول ما خلق اللہ نوری اور ارشاد امیر المومنین العلم نور کو ملا کر دیکھتے ہیں تو صاف یہ دعویٰ مبرہن ہو جاتا ہے الرحمن علم القرآن اسی پر دل ہے۔ اسی لئے امام نے اس علامت کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔

یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ امام ایک مرکز ہے اور باقی جتنے خطوط عالم ہیں سب اسی کی طرف منتهی ہوتے ہیں۔ کل ماموین کی ضرورتیں امام ہی کی طرف جامع ہوتی ہیں اور ضروریات ماموین کا کوئی شمار نہیں۔ پس ان تمام ضرورتوں کا پورا کرنا امام کا فرض ہے بشرطیکہ وہ امام باحق ہے اور یہ ضرورتیں حل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک امام کو ان کے متعلق علم کلی و علم جزئی حاصل نہ ہو اور یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا اگر بطریق وحی و الہام۔ پس امام کا علم۔ علم الہی سے اتصال رکھتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے۔ ائمہ فرماتے ہیں کہ امام کے پاس ایک عمود نور میں کا ایک سرا قلب امام سے متصل ہوتا ہے اور دوسرا عرش الہی سے یعنی علم الہی بلا واسطہ غیر امام کو حاصل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں دریا سے علم امامت کی یہ تک کسی رسائی ہو سکتی ہے اور کون شخص علم امام کا اندازہ کر سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ ایسا امام کسی ہم جنس کا بنایا ہوا امام نہیں ہوتا بلکہ یہ شے منجانب اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور خدا ہی اسے امام مقرر کرتا ہے۔ یہ تقریر صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جو اس کا خالق ہے۔ بلکہ فی الحقیقت اس کا خلق کر دینا ہی اس کا مقرر کرنا ہے اور یہی اقتضائے لطف ہے فوجہ لطف و تصرف لطف و عدا منہنا امام کا وجود ہی ایک لطف الہی ہے۔ اب رہا ظاہری طور سے اس کا تصرف فی الامور ہونا یہ ایک دوسرا لطف ہے اور اس کا عدم ہماری جانب سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم اپنے امور اس کے سپرد کر دیں گے تو ان میں تصرف کرے گا والا سکوت اختیار کرے گا۔ یہ مسئلہ فی الحقیقت جبر و اختیار پر منتهی ہوتا ہے اور عند المحققین امور عباد کی بنا را اختیار پر رکھی گئی ہے نہ کہ جبر پر جیسا کہ آیات کلام فقید و احادیث ظاہرین سے معلوم ہوتا ہے۔

واعلم الناس واشجع الناس واعبد الناس واسخى الناس ویر لدخنونا ویکون مطہرا۔



امام سب سے زیادہ صاحبِ حلم سب سے بڑھکر صاحبِ شجاعت سب سے بہتر عبادت گزار اور سب سے بڑھکر سخی ہوتا ہے امام مختون پیدا ہوتا ہے اور بالکل ظاہر و مظهر ہوا کرتا ہے یعنی کسی قسم کی نجاست ظاہری بھی اسے مس نہیں کرتی۔

جن لوگوں نے قیاسات قبیحہ کے دامن میں پرورش پائی ہے۔ وہ اپنے ہی نفوس پر قیاس کرتے ہوئے ان امیر کو استبداد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دل میں نور ایمان کی روشنی ہے اور جو ایک قادرِ مختار مہستی پر ایمان لائے ہیں ان کے لئے اس قسم کی چیزیں ہرگز محلِ تعجب نہیں ہوتیں بلکہ ان چیزوں سے آئینہ قلب پر اور جلا ہوتی ہے۔

ویری من خلفہ کما یری من بین ید یہ۔ امام پس پشت اسی طرح دیکھتا ہے جیسے کہ سامنے یعنی کسی قسم کا کوئی حجاب اس کے نورِ امانت کے لئے حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام عوالم کے حالات سے خبردار رہتا ہے اور وہ ماضی و حال و استقبال میں سے کوئی زمانہ اس کے سامنے حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ جس طرح ماضی کے حالات سے خبردار ہے۔ اسی طرح حوادثِ حال و استقبال سے۔ یہ فقرہ "ویری من نے لقمہ" کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ پس پشت کی چیزیں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سامنے کی چیزیں اور دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہے کہ امام حالاتِ گزشتہ و آئندہ سے خبردار ہوتا ہے۔ گویا "خلف" سے مراد زمانہ ماضی لیا جاسکتا ہے اور "بین ید یہ" سے زمانہ استقبال ان دونوں مطلبوں میں ہرگز کوئی تخالف نہیں ہے اور دونوں کے دونوں صحیح ہیں۔

ولا یكون له ظل۔ امام کا سایہ نہیں ہوتا۔ بعض خوش فہم حضرات فرمایا کرتے ہیں کہ سایہ کا نہ ہونا صرف جنابِ ختمی مرتبت سے مخصوص ہے اور اجزائے نور محمدی کے واسطے وہ سایہ تجویز کرتے ہیں جس کا اخذ سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ اثنا عشر علیہم اس نور محمدی کے اجزاء ہیں اور وہ ہی روحِ اعظم جو حقیقت کمالات ہے ان میں بھی جلوہ گر ہے جس طرح کہ ذاتِ محمد مصطفیٰ علیہ السلام میں پر تو افکن تھی۔

واذا وقع علی الارض من بطن امہ وقع علی راحیۃ رافعا صوتہ بالشہادۃ امام جس وقت شکم مادر سے زمین پر آتا ہے تو بتلیوں کے بل آتا ہے اور آتے ہی کلمہ شہادت زبان پر جاری کرتا ہے۔



ولا یحتلم و تنام عیناہ ولا ینام قلبہ امام محتلم نہیں ہوتا اور اسکی ہنکھیں سوتی ہیں مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ احتلام واقع ہوتا ہے وساوس شیطانیہ و تخیلات فاسدہ و ضعف قوائے باطنہ کی بنا پر۔ اور ان چیزوں کا امام سے کوئی تعلق نہیں نیز یہ چیز واقع ہوتی ہے حالت خواب و غفلت میں اور امام پر یہ خواب ہی طاری نہیں ہوتا بلکہ اس کا خواب عین بیداری ہے۔ یوں کیوں نہ کہئے کہ وہ مظہر اتم ہے اس ذات کا جس کی شان ہے لا تاخذہ سنتہ ولا نوم پھر اس پر خواب غفلت کیسے طاری ہو سکتا ہے۔

وہ روح قدس جس کا تعلق امام سے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اسکی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے لا یلہو ولا یلعب وہ لہو و لعب میں مشغول نہیں ہو کرتی۔ پس وہ ذات جو اس روح کو حاصل ہوتی ہے کیونکر ملا ہی و ملاعب میں مشغول ہو سکتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی زیر نظر رکھنے کے قابل ہے کہ امام کی شان ہے شہید علی الخلق یعنی وہ خلایق کے اعمال پر حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ پس اگر خواب غفلت کا عالم اس پر طاری ہوگا تو سلسلہ شہیدیت منقطع ہو جائے گا۔ لہذا اس پر نیند طاری نہیں ہوتی بلکہ اسکی خواب و بیداری یکساں ہے۔ اس حالت سے تعجب نہ کرنا چاہئے بلکہ اس بات کا مطالعہ انسان خود اپنے صحیفہ وجود میں کرے پھر یہ مطلب اچھی طرح روشن ہو جائے گا۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ نیند اور اونگھ وغیرہ کا تعلق مادیات سے ہے۔ مجردات کو اس سے تعلق نہیں۔ روح انسان یا نفس ناطقہ انسانی چونکہ عالم مجردات سے ہے اس لئے اپنے عالم میں ان آثار سے تعلق نہیں رکھتا جو مادیات سے متعلق ہیں اسی لئے ہماری روح بھی ہمیشہ بیدار رہتی ہے قوائے جسمانیہ مضحل ہو کر حالت سکون اختیار کر لیتے ہیں اور روح برابر اپنے کام میں لگی رہتی ہے۔ ہم سوتے ہیں اور ہماری روح ہزار ہا کوس کی خبر دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی بدن کے حالات سے بھی خبردار رہتی ہے۔ لیکن ہماری روح چونکہ بہت ضعیف ہے اس لئے اسکے افعال بھی ضعیف ہیں مگر وہ روح جو ام الارواح ہو اور تمام روحمیں اسکا پر تو ہیں اسکی قوت بے انتہا ہے وہ نہ صرف اپنے بدن کی ہر حال میں محافظ ہو بلکہ اشیاء عوالم کی محافظت میں مصروف رہتی ہے اور پھر باوجود اسکے اپنے مبدء جسے فوق المجرورات ہے اسے برابر اتصال رہتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین



ویکون محدثا۔ امام محدث ہوتا ہے یعنی روحانیین اس سے باتیں کیا کرتے ہیں اور ملائکہ مقربین اخبارارض و سما کے اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں

دیسناوی علیہ دھارہ رسول اللہ رسول اللہ کی زرد اس کے جسم پر ٹھیک آتی ہے۔ اس سے اشارہ ہو سکتا ہے اولوالالباب کے لئے اس امر کی جانب کہ جس طرح اس کے جسم ظاہری پر رسول اللہ کا لباس ٹھیک اترتا ہے اسی طرح اسکا بالحق بھی بالحق رسالت کا آئینہ اور مثال ہو۔  
ولایری لہ بول وای غاٹط لہ ن اللہ عز وجل قد وکل الا مرض با بتلا م ما خرج منه ویکون مرا الحوتہ اطیب من المساک اس کا بول و براز نظر میں آتا اس لئے کہ خدا نے زمین کو تعینات کیا ہے کہ جو کچھ اس سے خارج ہوا سے نکل جائے اور اس کی بوشاک سے بہتر ہوتی ہو روحانیوں کے مقامات کا نظارہ کرنے کے لئے سوائے اس کے کہ ہم سر جھکا کر چلے چلیں اور کوئی چارہ کار اسکے لئے نہیں ہے۔ گو بادی النظر میں یہ امر عجیب معلوم ہو لیکن فی الحقیقہ یہ آیہ تطہیر کا ایک تفسیری نوٹ ہے۔ تطہیر کلی کے معنی یہی ہیں۔ ہاں یہ بھی تو سمجھو کہ بول و براز کا تعلق ہے مادیات سے یعنی یہ فضلات ہیں جو غذاؤں سے بچ رہتے ہیں۔ انسان ہستی غذائیں کھاتا ہے طبیعت اپنا تصرف کر کے مایحتاج اور اجزائے لائقہ کو اخذ کر لیتی ہے جس سے بدن کا قوام منتظم ہوتا ہے اور مابقی کو دفع کر دیتی ہے۔ لیکن یہ حالت اس مخلوق کی ہے جو عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے لیکن جو طبقہ کہ عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اس کے حالات بالکل جدا گانہ ہیں۔ جو چیز ان سے مس ہوتی ہے اس میں انھیں کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کے منتہائے قوت کی دلیل ہے۔ پس انذیر مادیہ بھی ان کے شکم میں جا کر کوائف روحانی اختیار کر لیتی ہیں اور اس عالم مادی میں رہ کر بھی وہ اپنی طبیعت بہشتی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔

ویکون اولی بالناس منهم بانفسهم واشفق علیہم من ابائهم واقہما تم امام لوگوں سے ان کے نفوس کی نسبت اولے ہوتا ہے اور ان کے ماں باپ سے زیادہ شفیق۔ یہ صفت اولیت و صفت عظیمۃ القدر ہے جو امام اور نبی میں بالکل مساوی ہے۔ نبی کی شان قرآن میں یہ بیان فرماتا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم پس جو اولویت وہاں ہے وہی یہاں ہے۔ دوسرا جملہ حدیث کا گویا پہلے جملہ کی دلیل واقع ہوا ہے یعنی یہ اولیت اسی کے لئے سزاوارتہ۔



وَيَكُونُ امْتِدَادُ النَّاسِ تَوَاضُعًا لِلرَّجُلِ ذَكَرَهُ وَيَكُونُ اخْتِذَ النَّاسِ بِمَا يَأْمُرُ بِهِ وَانْكَفَ النَّاسُ عَمَّا  
يَنْهَى عَنْهُ وَهَ سَبُّ لَوْكُلِّ سَبٍّ بَرْهَكَرْ خُذَا كَيْ سَا مَنِي خَاضِعٌ وَخَاشِعٌ يُوْتَا بِهٖ وَهَ سَبُّ لَوْكُلِّ سَبٍّ  
زِيَادَهُ حَكْمُ اِلٰهِي كَا پَا بِنْدِ اَوْرَ اس كِي نَهِي سَيَّ بِيْجَنَ وَ اَلَا هُو تَا هِيَّ .

ظاہر ہے کہ جو ہستی خدا سے اتنا تقرب رکھتی ہے جس سے فوق کوئی تقرب متصور ممکن نہیں  
وہ اگر ستواضع نشدہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ اور ادا امر و لواہی خداوندی کی پابندی اس سے بہتر  
کون کر سکیگا۔ و رہار ذوا بحمدال میں ہر وقت حضور می کا یہ لازمی اثر ہے ۔

وَيَكُونُ دَعَاءُ مُسْتَجَابًا حَتَّى اَنْهَ لِيُوْتَا عَلٰی صُحْرٰى لَا نَشَقَّتْ بِنَصْفَيْنِ . اسکی دعا مستجاب ہوتی  
ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی پتھر کے لئے دعا کرے تو وہ نصفاً نصف شق ہو کر رہ جائے۔ جب جہریات  
پر اس کی دعا کا یہ اثر ہوتا ہے تو وہ انسان جس کے دل کو زنگ معاصی نے پتھر سے زیادہ سخت  
کر دیا ہو اور وہ امام سے متصل ہونے کا ثابت قدمی کے ساتھ ارادہ کر لے پھر اس کی سنگدلی  
کمال باقی رہ سکتی ہے ۔ ہاں اگر شقاوت ذاتی اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے دے تو یہ دوسری  
بات ہے ۔

وَيَكُونُ سَلَاحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰمٌ ذُو الْفَقَارِ عَتَدَا ۔ رسول اللہ  
کے سلاح اور ان کی سیف ذو الفقار امام کے پاس ہوتی ہے اس سے وراثت کی طرف اشارہ  
ہے اور ہمیں سے مسئلہ وراثت رسول متحقق ہو جاتا ہے ۔

کہا جاتا ہے رسول اللہ کا متروکہ صدقہ ہوا کرتا ہے ۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ رسول اللہ نے  
جو اپنے سلاح وغیرہ باقی چھوڑے یہ چیزیں مال متروکہ میں شامل ہیں یا نہیں یا صرف مذک  
ہی کو متروکات پیغمبر میں گنا جائے گا یہ چیزیں یقیناً متروکہ پیغمبر ہیں ۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ  
یہ چیزیں کس کے پاس گئیں اور کس حیثیت سے گئیں ۔ اگر حدیث کا نوٹ و کلا فوراً صبح  
مانا جائے تو یہ سب چیزیں داخل بیت المال ہونی چاہئیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا ۔ یقیناً حضرت  
خلیفہ اول پر اس کی جوابدہی عائد ہوتی ہے ۔

وَيَكُونُ عِنْدَہٗ صَحِیْفَةٌ فِیْہَا اَسْمَاءُ شِیعَۃٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَصَحِیْفَةٌ فِیْہَا اَسْمَاءُ اَعْدَائِہِ  
اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں اس کے شیعوں کے نام درج ہوتے



ہیں جو تاقیامت ہونے والے ہیں اور ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں اس کے اعداد کے اسرار الی یوم القیامہ درج ہوتے ہیں۔

ولیکن عندہ جامعۃ وہی صحیفۃ طولہا سبعون ذراعا فیہا جمیع ما یمتاج الیہ من ولد آدم۔ امام کے پاس جامعہ ہوتا ہے اور وہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ماخہ کا ہے اس میں تمام بنی آدم کی ضروریات موجود ہیں۔

ویکون عندہ الجفر الکبر والاصغر اھاب ماعز و اھاب کبش فیہما جمیع العنوم حتی اشرش الخدش و حتی الجلدۃ و نصف الجلدۃ و ثلث الجلدۃ۔

امام کے پاس جفر اکبر و جفر اصغر ہوتا ہے ایک بکری کی کھال ہے ایک دنبے کی ان میں تمام علوم موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت کا بھی بیان ہے۔ اور ایک تازیانہ نصف تازیانہ اور ثلث تازیانہ کا ذکر ہے۔ حدود الہی کا کلا و جزا ذکر ہے۔

ویکون عندہ مصحف فاطمہ علیہا السلام۔ امام کے پاس حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا مصحف ہوتا ہے۔

ان علامات سے جو امام علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں شان امامت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ خصوصاً وہ علامت جو امام نے سب سے پہلے ارشاد فرمائی ہے یعنی یہ کہ امام اعلم الناس ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنا اس کا علم بڑا ہوا ہوگا اتنا ہی اس کا صبر بھی وسیع ہوگا۔ اور یہی صہر معیار امامت ہے۔ پس اللہ اثنا عشر علیہم السلام جو اعلم الناس بلکہ اعلم الخلق ہیں انکا صبر بھی اسی تناسب علمی کے لحاظ سے ہوگا۔ جیسا کہ ان سے ظاہر بھی ہوا ہے۔ پس وہ بزرگوار یقیناً اس آیت سے تعلق رکھتے والے ہوں گے جس پر بحث کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اب تو معترض کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آیت سورہ سجدہ کو اللہ اثنا عشر علیہم السلام سے کیونکر ربط ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ حقائق قرآنیمہ کلیمۃ محمد وآل محمد کی طرف راجع ہیں کیونکہ قرآن میں یا بشارتیں ہیں جو ان کے اور ان کے قبیعین کے لئے ہیں یا وعدہ و وعید ہیں جو ان کے دشمنوں کی طرف راجع ہیں یا ادا و نواہی ہیں جو انھیں کی زبان سے ادا ہونے اور انھیں کے ذریعہ سے دنیا نے انہیں سمجھا یا علوم خاص ہیں جنکا مخزن انھیں کا سینہ ہے۔ پس قرآن کی کسی آیت کی نسبت یہ کہنا کہ اللہ اثنا عشر



سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے نے الحقیقت ایک بے بصیرتی ہے جسے مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ معترض اگر شیعہ ہے تو وہ صرف زبانی شیعہ ہے ورنہ اسے حقیقت شیعیت سے کوئی تعلق نہیں وہ حقائق مذہب سے قطعاً بے خبر ہے اور بایں بخبری دعویٰ علمیت سے دنیا کو دھوکا دیا جاتا ہے۔

جناب سید الموحّدین امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد انا کتاب اللہ الناطق مشہور و معروف ہے۔ حقیقت قرآن انھیں کے سینوں میں پنہاں ہے بلکہ انکا وجود ہی حقیقت قرآن ہی اور یہ قرآن جو ہمارے سامنے ہے یہ اسکی ایک صورت مکتوبی ہے۔ پس جس طرح کُل اشیاء کا میل اپنی اصل کی طرف ہوتا ہے اسی طرح حقائق قرآنیہ رجوع کرتے ہیں اپنی اصل یعنی وجود پیغمبر و امام کی طرف فان الامام هو کتاب اللہ۔

واضح ہو کہ ابتدائے بحث آیت وجعلنا منهم ائمةً الخ میں حسب اصول تفسیر جو حدیث معصوم سے ماخوذ ہے۔ ہم نے یہ تحریر کیا ہے کہ اب یہ آیت ظاہری طور پر اگر انبیائے نبی اسرائیل سے متعلق سمجھی جائے تو بھی باطناً تمام ائمہ کو شامل ہے۔ اسی بحث میں ہم نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس آیت میں ائمہ کی دو صفتیں جو بطور شرط پڑی ہوئی ہیں جہاں جہاں ان کا تحقق ہوگا وہاں امامت کا تحقق بطور کمال ہوگا۔ بلکہ مقصود اصلی وہی لوگ ہوں گے اور چونکہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ان صفات کے حامل بدرجہ اتم ہیں لہذا آیت کا تعلق ان سے بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے ہرگز بے مددک نہیں لکھا ہے بلکہ ایک اصول عقلی سے ثابت کیا ہے کہ آیت کا تعلق واقعی ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے ہی مزید توضیح اس کی یہ ہے کہ آیت میں شرط پڑی ہوئی ہے صبر و ایقان کی اور یہ چیزیں بدرجہ اتم ظاہر ہوئیں ائمہ اہلبیت سے لہذا آیت کا تعلق حسب اصول عقلیہ افراد کمال سے ہوگا۔

اب ہم حدیث معصوم سے اس بات کی سند پیش کرتے ہیں کہ واقعاً آیت کا تعلق صرف ائمہ آل محمد سے ہے ملاحظہ ہو حیات القلوب مجلسی علیہ الرحمہ۔

فراٹ ابن ابراہیم و ابن ہبیار از حضرت باقر علیہ السلام روایت کردہ اند کہ تفسیر قول حق وجعلناهم ائمةً یملأون باصرنا "سورہ انبیاء فرمود کہ میں در شان امامان کہ از فرزندان



فاطمہ اند نازل شدہ مخصوص ایشان است کہ مردم را ہدایت مے کنند با ہر خدا و ابن ہیار ازال حضرت  
روایت کردہ است کہ ایں آیت از برائے امامان ذریت فاطمہ نازل شدہ است و روح القدس  
وحی میکنہ بسوئے ایشان در سینہ ہائے ایشان۔

واضح ہو کہ ہم نے بطور تنزیل پہلا طریقہ اختیار کیا ہے یعنی اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ  
آیت کا تعلق تنزیلی انبیائے بنی اسرائیل سے ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ گوان سے تعلق مان لیا  
جائے لیکن مثلاً یہ آیت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی طرف راجع ہو گی۔ گویا اہل عناد کے لئے  
کو چہ گریز بند کر دیا گیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ آیت کا تعلق تنزیلی ائمہ آل محمد سے ہے اور یہ آیت  
نازل ہوئی ہے شان میں ائمہ اہل بیت کے۔ دوسرے کا دخل اگر اس میں ہو گا تو بالتبع ہو گا۔ اور  
یہ دعویٰ کہ اس کا نزول ہی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی شان میں ہے۔ حضرت باقر معلوم علیہ الصلوٰۃ  
والسلام کے ارشاد سے آپ کو معلوم ہو گیا جو حیات القلوب سے نقل کیا گیا ہے اور اسی حدیث  
سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام صاحب وحی ہوتے ہیں و اوحینا الیہم فعل الخیرات  
کی شرح بھی امام نے فرمادی ہے۔

ابن ہماظرین کو معلوم ہو گیا کہ آیت کا تعلق و ربط ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے کتنا مضبوط ہے  
جسے کسی معاند و مخالف کی تیز بیانی قطع نہیں کر سکتی۔ عقلاً و نقلاً ہر طرح اس کا مصداق ائمہ علیہم السلام  
ہیں۔ افسوس ہے ہندوستان کے حوزہ علمیہ کے بعض مغرور افراد علم و دیانت سے بہت دور جا چکے  
ہیں اور وہ نا سمجھ بچوں کی معرفت ایسی چیزیں دنیا میں شائع کراتے ہیں جس سے ارشادات ائمہ  
اثنا عشر علیہم السلام کی صریح توہین ہوتی ہے۔

اس مضمون کے شروع میں ہم نے کہہ دیا تھا کہ شیعوں کی مذہبی حالت بدتر سے بدتر ہوتی  
جا رہی ہے اس دعوے کا ثبوت آپ کو اس مضمون کے مختلف حوالوں سے مل جائیگا۔ ایک زمانہ  
تھا کہ شیعہ جن جن کرفضائل ائمہ کو روایت کرتے تھے۔ کتابیں مکتوب ہوتی تھیں۔ انھیں اپنے  
سینے سے لٹائے رکھتے تھے اور اسی گراں بہا جوہر کو اپنے لئے باقیات الصالحات میں سے سمجھتے  
تھے۔ لیکن آج وہ زمانہ آگیا کہ مسئلہ فضائل سے انکار کرنے کو تہ علم دیانت سمجھا جا رہا ہے اس سے  
زیادہ مصیبت شیعوں کے لئے اور کیا ہوگی۔



## الامام ہو کتاب اللہ الناطق

ہے اخبار اثنا عشری کی کسی نمبر میں سلام کا اعلان کر دیا تھا کہ اب یہ سلسلہ حقائق و معارف بند کر دیا جائیگا اور اس کے بجائے دوسرا مضمون شروع کیا جائے گا لیکن اس قسم کے اکثر خطوط ہمیں ملے جنہیں زور دیا گیا ہے کہ یہ سلسلہ منقطع نہ کیا جائے لہذا ہم ان احباب کی فرمائشات کو پس پشت نہیں ڈال سکتے ہم اس مضمون کا سلسلہ بھی قائم رکھتے ہیں اور دیگر مفید مضامین کا سلسلہ بھی شروع کرتے ہیں جیسا کہ اس نمبر کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہوگا۔

بعض حضرات کا خیال تھا کہ یہ مضمون کسی کی تردید کے لئے لکھا جا رہا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے اصل مقصد مضمون کا یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے نور بصیرت کو تیز کریں۔ معرفت امام کی طرف قدم بڑھائیں۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں ان مضامین کی بہت ضرورت ہے۔ جبکہ ہر جاہل و عامی امامت کا دعوے کر رہا ہے ہر ایک اجہل باصطلاح عوام "پیش امام" کہلا رہا ہے۔ خدا جانے اس لفظ کے معنی کیا ہیں "پیش امام" ترکیب کو کسی سے ہاں اس ضمن میں ان اعتراضات کی طرف ضرور توجہ کی گئی ہے جن کے تسلیم کرنے سے راقم مضمون کے نزدیک شان امامت پر عجاب پڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان اعتراضات کا دفعہ بھی بجز اللہ دلائل عقلیہ اقوال علماء محققین اور نصوص احادیث اہلبیت علیہم السلام سے کیا گیا ہے۔ اور غوثی کا مقام یہ ہے کہ وہ ارباب علم جن کے دل میں تعصب کی جہلک نہیں ہے ان جوابات کی معقولیت کو تسلیم کر چکے ہیں۔

اسی دوران میں ہمارے ایک نہایت قابل اور فاضل دوست نے عند الملاقات یہ رائے ظاہر کی کہ استدلال کی معقولیت میں کلام نہیں۔ لیکن اس مضمون میں روئے سخن جو ایک خاص جانب ہوتا ہے اس سے متناظر باہمی کا اندیشہ ہے۔ چونکہ ان کا یہ ارشاد محض خلوص پر مبنی تھا اس لئے عرض کیا گیا کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم اس سلسلہ کو قطعاً بند کر دینے پر تیار ہیں۔ بلکہ ایمان کی یہ بات ہو کہ محض اسی بناء پر اس کی بندش کا اعلان بھی کیا گیا تھا لیکن جب کہ چاروں طرف سے تقاضا شروع ہوا تو ہم مجبور ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارا روئے سخن کسی کی طرف نہ ہوگا اور پہلے بھی ہوا تو ضرور ہوا ہے نہ مجادلہ منظور ہے نہ مکارہ۔ نہ ہم اپنی علمیت جتاننا



چاہتے ہیں۔ علمیت وہ جتنے جو صاحب علم ہو گو اس کے لئے بھی یہ ایک معیوب امر ہے۔ ہمارا مقصد تو صفائی قلب کے ساتھ فضائل امام علیہ السلام کا بیان کرنا ہے۔ والسلام۔ آمدم بر سر مطلب۔

باز گواز نجد و از یاران نجد

تا در و دیوار را آری بوجد

اہل علم جانتے ہیں کہ اگر باب حکمت بقدر امکان خود حقائق اشیا سے بحث کرتے ہیں تو حقیقت یہ ایک جذبہ فطری ہے جو انسان کی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی حکمت کی خواہش کا اعلان کرتا ہے وہ اپنے چاروں طرف جیسا رنگا رنگ قدرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے تو سوال کرتا ہے یہ کیا ہے؟ یہ سوال ظاہر کر رہا ہے کہ وہ روح جو اس عالم عنصری میں بغرض حصول ارتقا و تحصیل کمالات ایک وقت معین کے لئے اسیر کی گئی ہے۔ ماہیت اشیا تک پہنچنا چاہتی ہے لیکن تربیت ناقصہ کے حجاب اس پر ڈال دئے جاتے ہیں اور یہ اشتیاق فطری طفل تلیوں کے آغوش کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ مسافر اور غریب روح نے آتے ہی چاند کے دہوں کو دیکھ کر کہا یہ کیا چیز ہیں جواب ملا کہ چاند کی ماں چرخہ کات رہی ہے۔ یہ سادہ اور پاکیزہ روح کیا سمجھتی کہ غلط بیانی بھی کیا چیز ہو کر رہی ہے یقین کر بیٹھی اور اس طرح جذبات تحقیق پر ایک کاری زخم لگ گیا۔

یہ جذبہ تحقیق یہی اشتیاق کیفیات اصلی۔ یہی دریافت حقائق اشیا یہی کمال قوت نظری غرض و غایت حکمت ہے اور یہ غرض و غایت حاصل نہیں ہوتی۔ مگر مشاہدہ اعیان اشیا سے لہذا اشیا عالم کا مشاہدہ اور ان میں غور و فکر کرنا حکیم کی زندگی کا پہلا فرض ہے۔ سزیم ایا تنافی الآفاق و فی انفسہم حتی یقین لهم انہ الحق اولہ یکف بربک انہ علی کل شئی شہید ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں تمامی آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں اس شان سے دکھائی گئی کہ حق ان پر بالکل واضح ہو جائے۔ کیا تیرے رب کے لئے یہ امر کافی نہیں کہ وہ ہر ایک شے پر حاضر و ناظر ہے؟

اس مشاہدے پر نظر کر کے اگر حقیقت اشیا کی بنیاد پر کوئی حکم لگایا جائے تو وہ کبھی طریقہ حکمت کے



مخالف نہ ہوگا۔ اور اعیان اشیار کو ان کی معنوی حیثیتوں پر نظر کر کے اگر کوئی خطاب دیا جائے تو کسی عقل مند کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہوگی۔

مثال اس کی یوں سمجھئے کہ نفع میزان بظاہر اس آلہ پر بولا جاتا ہے جس کے دو پلٹے آہستہ ہیں اور جن کے درمیان میں ڈنڈی ہوتی ہے جو ان دونوں پلٹوں کے درمیان واسطہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کو یہ کہنا چاہیگا کہ اس صورت ظاہری پر ہی میزان کا انحصار نہیں ہے۔ بلکہ جہاں جہاں حقیقت میزانیہ پائی جائے گی بلاشبہ ان اشیا کو میزان کہا جائیگا۔ اگرچہ وہ صورتاً کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں یعنی جس شے کے ذریعہ سے کسی دوسری شے کا وزن کیا جائے تو یہ شے اول دوسری شے کے لئے میزان قرار دی جائے گی۔ یہ موازنہ بھی مختلف قسم کا ہوتا ہے اور اسی اختلاف کے لحاظ سے میزانوں کے نام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میزانیہ ہر جگہ جاری و ساری نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ اختلاف صاحب فکر سلیم کو دہو کے ہیں نہیں ڈال سکتا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ وزن دو قسم کے ہوتے ہیں ایک محسوس جو کشش ثقل ارضی کا نام ہے۔ دوسرے معقول۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ وزن معقول کو وزن محسوس پر قیاس کیا جائے۔ یہ قیاس غلط اور یقیناً غلط ہوگا مگر نفع میزان دونوں جگہ بلا تکلف استعمال کیا جائے گا۔ اسی بنیاد پر فن عروض کو شعر کی میزان کہا جاتا ہے اور علم منطق کو میزان علوم سمجھا گیا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ زیارت صفوان بن بھال میں حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ السلام علی میزان الہ عمال و مقلب الاحوال و سیف ذی الجلال اب ملاحظہ فرمائیے کہ میزان کے یہاں کیا معنی ہیں۔

قال بعض المحققين ان میزان کل شیء هو المیار الذی بہ یعرف قدر ذلک الشیء بشیء ہر شے کی میزان وہ ایک معیار (کسوٹی) ہے جس کے سبب سے اس چیز کی قدر پہچانی جاتی ہے۔ میزان یوم القیمۃ للناس مایوزن بہ قدر کل انسان و قیمۃ علی حسب عقیدہ و خلقہ و علمہ و عملہ لیجری کل نفس بما کسبت و لیس ذلک الا الانسان الکامل اذ بہ و بانقضاء اثارہ و ترک ذلک القرب من طریقہ و البعد عنہا یعرف مقدار الناس و قدر احسانہم و سیئاتہم میزان کل امۃ ہو بنی تلک الامۃ و وصی نبیہا و الشریعۃ الی انی بہا فمن



ثقلت موازينه فاو لثا هم المفلحون ومن خفت موازينه فاو لثا الذين خسروا انفسهم  
 روى الصدوق رحمه الله باسناد عن هشام ابن سالم قال سالت ابا عبد الله عليه  
 السلام عن قول الله تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شيئا  
 قال هم الانبياء والاوصياء وفي رواية اخرى عنهم عليهم السلام نحن الموازين  
 القسط وما ورا دانه يوزن به الصحف فالمراد بالصحف النفوس الانسانية  
 وما ورا دانه لسانا وكفتين فتمثل للمعنى بالصورة كما ورا دانه سائر نظائر لانه پس رو  
 قیامت کی میزان آدمیوں کے لئے وہی ہے جس کے ساتھ ہر ایک انسان کی قدر و قیمت اس کی  
 عقیدے اسکے اخلاق اور اس کے علم و عمل کے لحاظ سے وزن کی جائے گی۔ تاکہ ہر ایک انسان کو اسکے  
 اعمال کی جزا دی جائے اور یہ میزان انسان کامل ہی ہو اگر تابت کیونکہ اسی کے ساتھ اور اسی کی پوری  
 اور اسی کے طریقے (شریعت) سے قرب و بعد پر نظر کرتے ہوئے انسانوں کی مقدار اور ان کے  
 حسنات اور سیئات کی قدر پہچانی جاتی ہے۔ پس ہر امت کی میزان اس امت کا نبی اور ان کے نبی کا  
 وحی اور وہ شریعت جسے وہ نبی لے کر آتا ہے، ہو کرتی ہے۔ اب جن لوگوں کا پلہ بھاری ہو وہ فلاح یافتہ  
 ہیں اور جن کا پلہ ہلکا ہے وہ نقصان رسیدہ اور زیاں کار۔ صدوق علیہ الرحمہ نے باسناد خود ہشام  
 ابن سالم سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے آپہ وافی ہوا یہ  
 نضع الموازين کے معنی پوچھے یعنی روز قیامت ہم میزان انہما سے عدل قیام کریں گے اور کسی نفس پر  
 ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا، حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ (موازن عدل) انبیاء و اوصیاء  
 ہیں اور دوسری روایت میں انھیں حضرات سے منقول ہے کہ ہم موازن عدل ہیں۔ اور یہ جو وار  
 ہوا ہے کہ اس میزان میں صحیفے وزن کئے جائیں گے تو یہاں صحیفوں سے مراد نفوس انسانہ ہیں  
 اور یہ جو وار ہوا ہے کہ اس میزان کے درپے ہوں گے اور ڈنڈی بھی ہوگی تو یہ ایک معنویت اور  
 حقیقت ہے جسے صورت کی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کے نظائر میں بھی تمام مقامات  
 پر وار ہوا ہے۔

جب آپ اس مثال کو سمجھ سکے اور معلوم کر چکے کہ اس بارے میں اصول حکمت کیا ہے؟ تو اب  
 آئے کتاب کی طرف اور ملاحظہ کیجئے کہ حقیقت کتاب کیا ہے؟



ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ کتاب وہ شے ہے جو ذریعہ ہوتی ہے کسی شخص کے  
 اظہار خیالات اور اعلانِ نشر و اشتہار کمالات کا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مسلم  
 ہے کہ صاحبِ کتاب کا نشر یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے صرف خطوط و نقوش و حروف  
 کو دیکھتے چلے جائیں۔ بلکہ اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کے مفہوم کو سمجھیں  
 اور فی الحقیقت یہی مفہوم کتاب کہلانے کا مستحق ہے نہ کہ صرف حروف و نقوش ظاہری  
 حروف و نقوش بمنزلہ لباس ہیں جو جسم معانی کے لئے تراشے گئے ہیں۔ یا  
 یوں کہو کہ یہ اجسام و اجساد ہیں جن کی روح وہی معنی و مفہوم ہیں۔ جس طرح  
 جسد بے روح پر انسان کا اطلاق اگر کیا جائے گا تو مجازی حیثیت سے کیا  
 جائے گا۔ اسی طرح صرف حروف و نقوش پر اگر کتاب کا اطلاق ہوگا تو  
 مجازاً ہوگا۔ ورنہ کتاب حقیقی وہی معنی و مفہوم یا روح ہے۔ جب حقیقت  
 کتاب آپ پر آشکارا ہو گئی تو یہ عالم من حیث المجموع کوئی شک نہیں کہ کتاب  
 ہے جس کے ذرے ذرے سے منشا قدرت آشکارا ہے۔ ایک ایک  
 پھول پتی سانح کی غرض کا اظہار کر رہی ہے۔ اور یہ تمام ذرات عالم۔ تمام  
 گلہائے رنگین۔ بحیثیت اجتماعی اس کتاب کے ورق اس کے حروف اور  
 اور اس کے نقوش و خطوط ہیں۔ جس طرح کتاب کے الفاظ باوجود اختلاف  
 صورت مل جل کر اصل موضوع کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ یہی کیفیت  
 اجزائے عالم کی خیال فرمائے۔ اس مقام پر پچھکر آپ کو مزید غور اب یہ  
 کرنا پڑے گا کہ وہ اس عالم کی حیثیت معنوی جسے حقیقی طور پر کتاب کہہ سکتے  
 ہیں کیا ہے؟ یا یہ کہنے کہ اس عالم کی جو بمنزلہ جسد و جسم ہے روح کیا شے  
 ہے؟ پھر اسی روح اور اسی معنویت و حقیقت کو ہم کتاب اللہ کہیں گے۔ اور  
 اسی روح معنویت و حقیقت کو ہم اس کتاب کے ایک ایک نقش و  
 و حرف میں جاری و ساری دیکھیں گے۔ بشرطیکہ حجاب و موانع قلب پر  
 حاوی نہ ہوں۔



اس تحقیق روح عالم کے وقت آپ کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ عالم میں ایک کامل کا وجود ضروری ہے۔ ہر زمانے میں ہر آن میں بلکہ جب آن و انیات و زمان و زمانیات کا وجود تھا سو وقت بھی اس کا وجود نظر آئے گا۔ یہ ضرورت ہم اسی واسطے تسلیم کرتے ہیں کہ مجموعہ عالم پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہر شے اپنے اپنے مقام پر کامل ہے۔ لیکن جب ان اشیاء کا تقابل کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے مقابلہ میں یہ ضرور ناقص ہیں۔ جیسا کہ کسی عاقل بتصیر سے مخفی نہیں۔ جب یہ سب ایک دوسرے کے مقابل میں آکر ناقص ٹھہرتی ہیں تو یہ بھی ایک ہی مسئلہ ہے کہ ناقص کا مجموعہ بھی ناقص ہوا کرتا ہے۔ اور جب تمام مجموعہ عالم ناقص ہے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ نقص مصنوع نقص صانع پر دلالت کیا کرتا ہے۔ اس میں بھی کسی عاقل کو کلام نہیں لہذا معلوم ہوا کہ عالم میں ایک کامل کا وجود عقلاً ضروری ہے تاکہ ذات احدیت میں نقص لازم نہ آئے۔ اب خیال کرو کہ اس کامل کو عالم سے وہی نسبت ہے جو روح کو بدن سے جس طرح بغیر روح کے بدن بیکار اور ناقص ہے اسی طرح بتیر کامل کے یہ عالم ناقص اور بیچار ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ بدن کی پیدائش نہیں ہے۔ مگر روح کے لئے۔ اسی طرح عالم کی پیدائش نہیں ہے مگر اسی کامل کی خاطر۔

واضح ہو کہ وجود بحیثیت غرض و غایات دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود شے لغیرہ دوسرے وجود شے لذاتہ آخر الذکر کے لئے جو تفصیل ہے وہ وجود شے لغیرہ کے لئے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو ایک مقدمہ کے مانند ہوتا ہے دوسرے کے لئے۔ مثال میں اسی بدن کو لو۔ اس کا وجود ہرگز لذاتہ نہیں ہے بلکہ یہ روح کے قیام کی غرض سے بنایا گیا ہے اور جو کچھ اس کی تربیت عمل میں آتی ہے وہ صرف روح کی خاطر۔ اسی طرح مقصد و خلقت عالم سے وہی ہے جو کامل ہے۔ اسی لئے یہ ہی کامل علت پیدائش اشیاء ہے نہ کہ خود اشیاء لان المراد من الاشیاء غایاتھا اور یہ مضمون حدیث مشہور و معروف لوان لما خلقت الافلاک سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔

ان دلائل ایمانیہ یقینیہ جب ہم معلوم ہو گیا کہ کامل کو اس عالم سے وہی تعلق ہے جو روح کو بدن سے۔ تو اب ہمیں یہ کہہ دینے میں کوئی باک نہیں کہ روح عالم وہی ہے۔ یہاں تک تو فقار رنگ مجازہ۔ لیکن جب حقیقت کی آنکھ کھول کر دیکھو گے تو تمہیں لقراءتے گا کہ ہر ایک شے سے اسی روح کامل و اکمل یا روح اعظم کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ عجب نہیں کہ معیت قیومیہ اسی سے عبارت ہو اس لئے



کہ ذات واجب الوجود کو ممکن و حادث سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسی ذات کے واسطے سے جو وجوب و حدوث دونوں شان رکھتی ہو۔

تا جمیع امکان و وجوب نہ نوشتند

مور و متعین نہ شد اطلاق اعم را

تقدیر نشاءت بہ یک ناکہ دو محل

سلماتے حدوث تو سلماتے قدم را

ہم حادث ہیں پس ہم سے جس معیت قیومیہ کا تعلق ہو گا اس میں حدوث ذاتی کی شان ضرور پائی جانی چاہئے۔ ”فہی لمعیتہ القیومیۃ الواحدیۃ والکلمۃ الہیۃ قامت بہا السموات والارض والقوۃ الہیۃ الیہا فی عظمۃ القدر السموات وبقوتک الہیۃ تمسک بہا السماء ان تقم علی الارض الا باذنک وتمسک السموات والارض ان تزولا“ یہی معیت قیومیہ واحدیہ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے سبب سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہی وہ قوت ہے کہ دعائے سمات میں جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ الہی اس قوت کا واسطہ جس کے سبب سے تو آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے۔ اور اگر کوئی تیرے اذن سے گرے اور اسی قوت کے ساتھ تو زمین و آسمان کو زائل ہونے اور اپنے مرکز سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے۔“

پس یہ معیت قیومیہ جو ہمارے ساتھ ہے ہمیں فنا سے روکے ہوئے ہے وہ معیت قیومیہ واحدیہ ہے جو مقام منظریت کاملہ تامہ ہے اور وہ معیت قیومیہ جو معیت قیومیہ احدیت کہلاتی ہے اس کا تعلق اپنے منظر کامل سے ہے۔

غرض یہی روح اکمل و اتم و اعظم ارواح جزئیہ عالم سے وہی تعلق رکھتی ہے جو عام روہیں بدنوں سے۔ پس فی الحقیقت روح عالم ہی ہے اور منشائے خالق کا ظہور بطور اتم اسی سے ہوتا ہے عبد اللہ بنا عرف اللہ بنا۔

قال بعض المحققین۔ لما شاہ العالم الانسان فی ترکیبہ من مادہ وجسد مع انه اکبر صورۃ قیل فیہ انه الانسان الکبیر ولكن انما یصم هذا القول و یصدق بوجہ الانسان الکامل فیہ اذ لو لم یکن موجوداً فیہ لکون جسمہ لا یصلح فیہ الا عجزاً و کمای قال فی العالم الانسان اکبیر کذا لک یقال للانسان العالم اصغر و کل من هذین القولین انما یصم بحسب الصوۃ و بحسب احد ہما و تفضیل الاخر و اما بحسب المرتبۃ فالعالم الکبیر و الذللیفۃ الصغیر



والانسان الكامل هو العالم الكبير اذ للخلیفة الاستعلاء على المستخلف علیه۔ ایک محقق کا قول ہے کہ عالم کو انسان سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح انسان روح و جسد سے مرکب ہے اسی طرح عالم بھی اور اندرون سے صورت ظاہری چونکہ عالم بڑا ہے اسی لئے اسے انسان کبیر کہا گیا ہے لیکن یہ قول کہ معنی عالم کا انسان کبیر ہونا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ انسان کامل کا وجود اس میں پایا جائے اس لئے کہ اگر اس کا وجود نہ ہوگا تو وہ اس جسد کی مانند ہوگا۔ جس میں روح نہ ہو اور کوئی شک نہیں ہے کہ انسان کا اطلاق اس جسم پر جس میں روح نہ ہو مجازی حیثیت سے ہوگا پھر جس طرح کہ عالم کو انسان کبیر کہا جاتا ہے اسی طرح انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے اور یہ دونوں قول بحسب صورت ظاہری صحیح ہیں۔ کہ ایک مجمل ہے ایک مفصل۔ لیکن بلحاظ مرتبہ و منزلت عالم جو ہے وہ انسان صغیر ہے اور انسان کامل جو ہے وہ عالم کبیر ہے۔ اس لئے کہ یہی انسان کامل خلیفہ خدا ہے اور خلیفہ خدا کیلئے رفعت مرتبت منزلت اس مخلوق پر ضروری ہے چیرا ہی خلیفہ بنایا گیا ہو اب تو یہ امر اچھی طرح روشن اور میرہن ہو گیا کہ انسان کامل ہی اس عالم کی روح ہے اور نشانے خالق اسی سے بطور کمال و تمام ظاہر ہوتا ہے لہذا اب ہم بلا شک و شبہ کہتے ہیں کہ وہی واقعاً کتاب اللہ الناطق ہے اور وہی حقیقی مرجع ہے ذلك الكتاب لا ريب فيه الا هو يمشي مشواً مطلق ہے اور وہی کتاب اللہ الناطق ہے فان الامام هو كتاب الله الناطق وهذا هو مراد كل من اراد الخير والسداد واما من ابتغى الفساد واطمأنا العناد فان ربك لبالمرصاد

مشہور واقعہ ہے کہ جنگ صفین میں جب ازراہ فریب نیزوں پر قرآن بلند کئے گئے تو امام مطلق اور کتاب اللہ الناطق نے فرمایا واضربوهم ولو على مصاصهم ضروران پر تلواریں برساؤ اگرچہ ان کے معصوموں کو صدمہ پہنچے یہ قرآن اگر واقعی قرآن ہیں بھی تو گونگے قرآن ہیں اور میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں

ہم اس وعوے کا ثبوت دوسرے طریق سے شروع کرتے ہیں تاکہ مومنین عارفین کے قلوب صافیہ میں اور نورانیت پیدا ہو۔ سنئے کسی قائل تو حید کو شک نہیں کہ ذرے ذرے



سے شانِ خداوندی اور اس کے کمالات آشکار و ہویدا ہیں اس حقیقت پر نظر کرتے ہوئے ایک ایک ذرہ کتابِ خدا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر نظر انداز نہ ہو گا کہ جس شے کا تاگد زیادہ ہے اسی قدر اس میں کتاب کا تاگد بھی زیادہ ہو گا۔

یعنی جو شے جس منزلت میں ہے اسی منزلت کے لحاظ سے وہ کتابِ خدا ہوگی یعنی ناقص ہے تو ناقص اور کامل ہے تو کامل۔ جب یہ امر مبرہن ہو چکا تو موجوداتِ عالم میں انسان ایک عجیب و غریب ہستی ہے لہذا خلقنا الانسان فی احسن تقویم اس پر صریحاً دال ہے تو اب دوسری چیزوں کے مقابلہ میں انسان کو سب سے بڑی خدا کی کتاب کہیں گے۔ قال کتاب اللہ الناطق

أَتَزَعُمُ أَنَّكَ جَرْمٌ صَغِيرٌ      وَفِيكَ التَّطَوُّى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ  
وانت الكتاب المبين الذی      باحر به يظهر المضمون

جو استدلال ہم ان کلمات مقدسہ سے پیش کرنا چاہتے ہیں وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن ہم ایک حکمتِ لطیفہ کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں جس سے قلوب عارفین میں ایک برق چمک اٹھے اور یہ وہ تجلی ہو جس کی حرارت تا ابد کم نہ ہو بلکہ ہمیشہ ترقی ہی کرتی رہے۔

اسی مضمون میں ابھی ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ عالمِ کبیر و اکبر نے حقیقتِ انسانِ کامل ہے اور امیر المؤمنین علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسان کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو جھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تجھ میں عالمِ اکبر موجود ہے۔ اب عالمِ اکبر کے معنی ہم نے انسانِ کامل کے لئے ہیں۔ تو اب مفہوم یہ ہو گا۔ اے انسان تجھ میں عالمِ اکبر اور انسانِ کامل کا وجود ہی پھر اس سے کیا مراد ہوگی۔ اس سے مراد ہوگی وہی معیتِ قیومیہ جب کا تعلق سب سے ہے اور وہی حقیقتِ عقلانیہ محمدیہ و علویہ جو ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ اب دیکھو آیہ قرآنیہ کو لقد جاء کمر رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حرا یص علیکم بالمومنین

س و ف الرحیم۔ یہ رسول جو تمہاری نگاہوں میں جلوہ گر ہے تمہارے نفوس میں سے ظاہر ہوا ہے تمہاری مشکلات اسے ناگوار گزرتی ہیں۔ وہ تمہارا مشکل کشا ہے وہ تمہاری گرہ کشائیوں پر حریص ہے



اور مومنین کے لئے وہ رؤف و رحیم ہے۔

خوب یاد رکھو کہ کسی کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے اس درجہ پر آمادہ ہونا کہ حریص کا خطاب مل جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت کہ کسی سے خاص تعلق خاطر ہو۔ یہ ایک مشاہدہ و محسوس ہے۔ یہی تعلق ہے خاتم الانبیاء کو مخلوقات عالم سے اور اسی تعلق کی بنا پر ہدایت کاملہ کی شان اس طرح ظاہر ہوئی جس کا منظر اور کمین نظر نہیں آتا اور یہی شان ظاہر ہوئی اس کی آل اطہار سے۔ غرض یہ نفوس سے رسول کا آنا بتا رہا ہے کہ آفتاب حقیقت محمدیہ کا طلوع ہر ایک نفس سے ہو رہا ہے اور ابھی شے کا نام ہے معیت قیومیہ واحدیہ۔ اللہم صل علی محمد وال محمد۔

اب دیکھئے دوسرے شعر کے مفہوم کی طرف۔ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف سے چھپی ہوئی شے آشکار ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت نے اس شعر میں انسان کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ دیگر اشیا عالم میں انسان کتاب مبین ہے اور اسی میں وہ صفت ناطقیت ہے جو اسے دیگر حیوانوں سے ممتاز کر دیتی ہے اب انسانوں میں بھی جو فرق مراتب ہے وہ ظاہر ہے اور سرتاج انسانیت بلکہ روح عالم ہے۔ انسان کامل تو وہ بدرجہ اولیٰ خدا کی کتاب ناطق اور کتاب مبین ہوگا اور یہی وہ کتاب مبین ہے جو ہر شے کا احصائے ہوئے ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے آیہ ہادیہ کل شیء احصینا فی امام مبین۔

حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دو شخص اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اس سے کیا مراد تو ریت ہے۔ فرمایا نہیں۔ عرض کیا پھر کیا انجیل مراد ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اتنا اس کیا تو کیا اس سے قرآن کی طرف اشارہ ہے فرمایا نہیں۔ اسی اثنا میں امیر المومنین تشریف لے آئے۔ رسول اللہ نے آپ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ہے اور یہی وہ امام ہے جس میں خداوند عالم نے ہر ایک شے کے علم کا احصاء کر دیا ہے۔

یہی وہ ذات مقدس ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ما فرطنا فی الكتاب من شیء ہم نے کتاب جامع میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ ہر چیز اس کے اندر موجود ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے۔ وانزلنا الیک الكتاب تبیاناً لکل شیء۔ ہم نے تیری طرف وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر شے



کے لئے بیان روشن ہے ۔

بجہ شد اس بیان روشن سے واضح ہو گیا ہے کہ وجود امام فی الحقیقت کتاب ناطق ہی ہے یعنی صفت ناطقیت انسان کو عام حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے اور یہی صفت نطق انسان کامل کو اور انسانوں سے علیحدہ کرتی ہے ۔ یعنی انسان حیوان ناطق اور یہ ذات لاہوتی صفات انسانی اہل عقل پر روشن ہے کہ شان نطق کامل یہ ہے کہ اس میں کسی حیثیت سے بھی صمت کی شان نہ پیدا ہو اور یہ بات پیدا ہو نہیں سکتی مگر اس میں جس کے کل علوم من اللہ ہوں ۔ اسی کا نام علم لدنی ہے ۔ پس ایسا ہی عالم فی الحقیقت ناطق کہلا سکتا ہو ۔ یہی حجت خدا ہے اور اس کی ایک شناخت اور ایک زبردست شناخت یہی ہے ۔ الحجۃ من لا یقول لا ادعی ۔ حجۃ خدا ہے جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا ۔ پس فی الحقیقت یہی ناطق کامل ہے یہی امام برحق ہے اور اسی کی ذات ہے جو کتاب اللہ الناطق کہلا سکتی ہے ۔

ہم نے اپنے دعوے کا ثبوت اپنے خیال کے موافق اچھی طرح پیش کر دیا ہے ۔ اب اگر کسیکو شبہ درمیش آئے تو اس کے اطمینان کے لئے پھر اس بحث پر قلم اٹھایا جاسکتا ہے گو ابھی بہت سے جنایاں مزایا کلام میں باقی رہ گئے ہیں مگر تفہیم عام کے واسطے سر دست اتنا ہی کافی ہو  
الامام هو المتقدم في الوجود ۔ واضح ہو کہ سطور گزشتہ میں بتا دیا گیا ہے کہ امام فی الحقیقت روح عالم ہے ۔ عالم کا وجود وغیرہ ہے ۔ کیونکہ وہ ایک جسد کی مانند ہے اور امام یا انسان کامل کا وجود لذاتہ ۔ اب وہ وجود لذاتہ ہوتا ہے عقلاً متقدم ہے وجود وغیرہ پر ۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ کمالات خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے امام ۔ اور شان جلال و جمال الہی اسی سے نظر آتی ہے اور اسی آئینہ میں ہم شئون احدیت کا نظارہ کر سکتے ہیں ۔ یا یوں کہو کہ فیض خداوندی جو کچھ مخلوقات تک پہنچتا ہے وہ اسی ذات سے پہنچتا ہے کیونکہ عالم فعلی جسمانی ظلمانی میں ذات بسیط و مجرد مطلق سے بلا واسطہ فیض حاصل کرنے کی قابلیت مفقود ہے ۔ لان ارتباط الحادث بالقدیم بلا واسطۃ محال ۔ جب یہ معلوم ہو گا کہ عالم من حیث الجمع والتفریق ذات احدیت کا فیض ہے اور یہ فیض نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ ذریعہ نہ ہو جو اس فیض کو پہنچا سکے ۔  
آیہ مبارکہ وابتغوا الیہا الوسیلۃ صاف راز کو کھول رہی ہے ۔



حکمائے قدیم کا مشہور مسلک ہے کہ مبدع حقیقی سے پہلے پہل عقل اول کا صدور ہوا اس دعویٰ کے متعلق جو دلائل انھوں نے بیان کئے ہیں ہمیں ان سے بحث نہیں مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اصل میں انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے۔

از خاک سر رگدز کوئے شما بود ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حکمائے مادیین زمانہ حال بھی کوئی اول شمس کو بیان کرتے ہیں۔ گو ان کا مطلب اسی شمس محسوس سے ہے اور ہم تفسیر قول ہمالا یرضیٰ تائلہ کے مرکب نہیں ہونا چاہتے۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ انسان قہری طور پر صا ورا دل ایک ہی تسلیم کر رہا ہے۔ اور باقی کائنات اسی کے سبب سے ظاہر ہوئی ہے۔ یہ جذبہ فطری فی الحقیقت

راجع ہے۔ اسی امر کی طرف جس کی جانب ہم اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ واقعی فیض واجب

کو حاصل کرنے کے لئے ضرور ایک واسطہ کی ضرورت ہے جو ذو جہتین ہو۔ اسکی محسوس

مثال یہ ہے کہ سورج ایک مادی اور محسوس شے ہے لیکن شدت نورانیت کے سبب سے

ہماری آنکھیں اس پر جم ہی نہیں سکتیں یہ ناقابلیت ہماری طرف سے ہے سورج کا کوئی

قصور نہیں۔ لیکن اسی سورج کے کمالات جب آئینہ قرین جلوہ گر ہوتے ہیں تو ہم اسی اچھی طرح

دیکھ سکتے ہیں۔ اسی محسوس مثال کو معقولات میں لے جاؤ تو معلوم ہو گا کہ شمس احدیت

کے انوار جلال و جمال کا نظارہ ہم نہیں کر سکتے۔ مگر ایک ایسے آئینہ میں جو ان انوار کو ہمارے

سامنے پیش کر سکے۔ اب عقل حکم کرتی ہے کہ یہ آئینہ سب سے مقدم ہونا چاہئے۔ یا یوں کہو کہ

وہ وجود ذریعہ نشرفیض فیاض مطلق ہے اس کا وجود سب سے پہلے ہونا عقلاً ضروری ہے

اگر کوئی شخص غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ لفظ "امام" خود ہی اپنے معنی کی طرف اشارہ

کر رہا ہے۔ امام کے معنی یا تو یہ ہو کہ امام اس وجود کو کہتے ہیں جس کی طرف سب رجوع کریں گویا

وہ سب کا مرجع ہو۔ اس حالت میں بھی مرجع کا وجود عقلاً مقدم ہونا ضروری ہے اور یا بمعنی

"پیشوا" فی الحقیقت یہ بھی مفہوم اول ہی ہے جو بتغیر الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم اس لفظ

کے معنی پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیشوائے مطلق وہ ہے جو ہر حیثیت سے پیشوا ہو۔ کیا

بلحاظ وجود کیا بلحاظ علم وغیرہ۔



اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھئے کہ لفظ امام جنس ہے جس کے ماتحت انواع متعدد ہیں اور لفظ امام ان سب پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً موجودہ زمانے کی اصطلاح میں پیش نماز کو بھی امام کہتے ہیں اور جو کسی فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو وہ بھی اس فن کا امام کہلاتا ہے۔ اہل اسلام نے شانِ وقت کو بھی امام کہہ چکا ہے۔ پیشوایانِ مذاہب کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ لہذا اس جنسیت پر نظر کرتے ہوئے امامت مطلقہ متحقق نہیں ہو سکتی۔ جب تک کوئی فصلِ میزبان نہ کی جائے اور وہی تعریف حدِ تام کہلاتی ہے جو جنسِ قریب اور فصلِ قریب سے مرکب ہو اور فصلِ قریب یہی ہے کہ ذاتِ شے میں داخل ہو اور عوارضات سے نہ ہو۔ اب وہ شے جو ذاتِ امام میں داخل ہو جس کی بنا پر ہم اسے امام مطلق سمجھ سکیں نہیں ہو گئے تقدم فی الوجود والعلم والقدرة والحکم اور اسی سے ہم امام مطلق کو شناخت کر سکتے ہیں۔

قال بعض المحققین انا نقول فی تعریف الامامة و بیان جنسها و فصولها الامامة ریاسة عامة يقتضی فصولا اربعة التقدم والعلم والقدرة والحکم و اذا انتقصت هذه الفصول انتقص الجنس فلا تعریف اذا فلا معرفة فلا ریاسة عامة فلا امامة وھی ریاسة عامة

ایک محقق کا قول ہے۔ اب ہم تعریفِ امامت اور اسکی جنس و فصول کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امامت ایک ریاستِ عامہ ہے جو فصولِ اربعہ کی مقتضی ہے اور وہ فصول اربعہ یہ ہیں۔ تقدم فی الوجود۔ علم۔ قدرت۔ حکم اور اگر یہ فصول ناقص ہوئیں تو جنس بھی ناقص ہو جائیگی۔ اس حالت میں تعریف بھی نہ رہے گی۔ اور جب تعریف ہی نہیں تو اسکی معرفت نہ ہونی اس صورت میں ریاستِ عامہ بھی متحقق نہ ہوگی جب نہ ہوگی تو امامت بھی نہ رہیگی۔ حالانکہ امامت ریاستِ عامہ پس اس مقام سے ظاہر ہوا کہ امام کے لئے تقدم وجود ضروری ہے اور یہی تقدم وجود اثباتِ ریاستِ عامہ کا حقہ کر سکتا ہے۔ پس امام مطلق وہی ہے جو خلقِ سب سے مقدم ہو اور اسی فصل سے محمد و آل محمد صلوٰات اللہ علیہم کی ریاستِ عامہ کاراز کھلتا ہے۔ اور رسول اللہ نے جو بار بار فرمایا ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ اول ما خلق اللہ سرتی آخری کیوں؟ کیا محض اس لئے کہ سن لو اور خوش ہو جاؤ۔ بلکہ اس ارشاد میں حقائق پوشیدہ ہیں عبارتِ پرستوں



سے بحث نہیں۔ مگر وہ لوگ جو معافی اور روح معافی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپ نے اس تقدم کا اعلان فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ پیشوائی مطلقہ ہمارے ہی لئے ہو نہ کہ غیر کے واسطے اور یہی وہ امامت مطلقہ ہے جس کا وجود کل مخلوق سے پہلے تھا اور مبدی حقیقی سے جو شے پہلے پہل صادر ہوئی۔ انھیں اللہ کا وجود مقدس تھا اور اس بارے میں روایات و اخبار اس کثرت سے وارد ہوئے ہیں جن کا ہرگز انکار ہو نہیں سکتا۔ اور مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ان احادیث سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں معاند اور منکر محض کا کسی کے پاس علاج نہیں۔ اس سے خطاب ہی بیکار ہے۔

جب تقدم نے الوجود امام کے لئے ثابت ہو چکا تو اب غور کرو کہ امام کو اپنے مامومین کی ضروریات کا علم ہونا ضروری ہے۔ والا وہ امامت امامت ہی نہیں بلکہ یہ ایک تسخیر ہے۔ اور ہم ان عقول پر سوائے افسوس کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں جو امام کے لئے جہل تجویز کریں اور جاہل ہونا قاصد امامت نہ سمجھیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امامت ایک ریاست عامہ ہے اور ریاست عامہ یہ ہے کہ کوئی شے بھی اس کے حلقے سے باہر نہ ہو۔ چند روز کی حکومت جبر یہ کا نام ریاست عامہ رکھنا۔ انھیں عقول کا کام ہو سکتا ہے جو امام کو جاہل تجویز کیا کرتی ہیں۔ باقی ایک وسیع الخيال شخص تو ریاست عامہ کے مفہوم کو اسی بلندی پر دیکھیں گے کہ اسے ہونا چاہئے۔ پس جب ریاست عامہ یہ ہے کہ عرش سے فرش تک کوئی شے اس ریاست سے باہر نہ ہو یعنی وہ کل مخلوق کا مزج ہو تو اب ضروری ہے کہ اس تمام مخلوقات کے نہ صرف وجود کا اسے علم ہو بلکہ انکی ضروریات سے بھی باخبر ہو اور کسی قسم کی مخلوق ہو۔ اور اس سے کسی قسم کا سوال کرے مگر وہ اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ لا ادری۔ میں نہیں جانتا۔ اس لئے کہ اس حالت میں امام یقیناً نہیں رہ سکتا کیونکہ جہل، منافی امامت ہے۔ یقیناً و قطعاً اب سوچو تو سہی کہ اس کا علم کس قدر وسیع ہوگا وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا کسی مخلوق کے تصور میں بھی نہیں سما سکتی۔ فانك البصر لا ينفذ و سر الغيب لا يعرف و كلمة الله لا توصف سمندر کبھی ختم نہیں ہو سکتا سر غیب کی معرفت کما حقہ حاصل ہو نہیں سکتی اور کلمۃ اللہ کا وصف بیان نہیں ہو سکتا۔



پھر یہ علم جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا باکتاب حاصل ہونا محالات عقلیہ میں سے ہے  
لہذا ضروری ہے کہ یہ علم براہ راست علیم مطلق کی بارگاہ سے اس پر نازل ہو گیا اس کی فطرت  
میں یہ علم داخل ہو۔ یہی علم علم لدنی ہے مگر علی وجہ الکمال جس میں کسی شتم کی کمی نہیں مافوظنا  
فی الكتاب من شیء وکل احصینا ہ فی امام مہدیین یہ دونوں آیت مقدسہ اس منزلت علیہ کی طرف  
بجوابی اشارہ کر رہی ہیں۔

اب اگر تقدم حاصل ہو اور علم نہ ہو تو ایسی حالت میں تقدم بیکار چیز ہے۔ اس سے کوئی  
فائدہ نہیں۔ لہذا امام کے لئے عقلاً ضروری ہے کہ وہ علوم احادیث کا جذب کر لیا ہو۔ اب  
اگر تقدم وجودی بھی رکھتا ہے لیکن قدرت اُسے حاصل نہیں ہے تو بھی یہ دونوں چیزیں بیکار  
ہیں۔ واضح ہو کہ جس ذات کے لئے صفات عین ذات ہیں وہاں قدرت عین علم ہے اور علم عین  
قدرت۔ برخلاف اس کے جہاں یہ صفات زائد بر ذات ہیں وہاں ایسا نہیں ہے کہ علم عین قدرت  
اور قدرت عین علم۔ علم و قدرت وہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور جس طرح بغیر قدرت کے  
تقدم اور علم بیکار ہیں اسی طرح بغیر حکم کے قدرت بیکار ہے۔ فالامامة ہی ریا سۃ عامۃ  
والامام هو المتقدم العالم الحاکم المتصرف علی الاطلاق۔

اب ہم دوسری حیثیت سے اس مسئلہ کو لیتے ہیں کہ صفات کمالیہ خداوندی رجوع کرتے  
ہیں اصول اربعہ کمالات کی طرف یعنی حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ یہی وہ چیزیں ہیں جو مبدء  
نیاض کی طرف سے تمام مخلوق کو تقسیم ہوئیں ہیں اور ہر مخلوق کو بقدر استعداد ان کمالات میں سے  
حصہ ملا ہے۔ اب وہ ذات کہ جس کے ذریعہ سے یہ کمالات تقسیم ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس کا  
وجود سب سے پہلے ہو اور اسے باعتبار واسطہ ہونے کے چونکہ اس کی استعداد سب سے  
قوی ہے کہ اس سے فوق اور کسی کی استعداد متصور نہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ یہ کمالات  
بوجہ اتم اسے حاصل ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ صاحب امامت مطلقہ امام نے الوجود ہوتا  
ہے۔ امام فی الحیات ہوتا ہے۔ امام فی العلم ہوتا ہے۔ امام فی القدرت ہوتا ہے۔ امام فی الارادۃ  
ہوتا ہے۔ فہذہ الریاسۃ العامۃ ہی الخلقۃ لا غیر وذلک الامام هو الخلیفۃ  
اللہ فی العالمین۔ یہ حیثیت معنوی جو ہم نے دکھائی ہے اور یہ مقام منظریت جس کی طرف



ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اس مقام میں خلافت و امامت کی حدیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ مگر  
 فی الحقیقت یہ تمام مناصب بحیثیت منظریت رجوع کرتے ہیں خلافت عظمیٰ الہیہ کی جانب یعنی  
 ایسا وجود مقدس خدا کا قائم مقام ہوا کرتا ہے۔ فالامام هو خلیفة الله وهو الانسان  
 الكامل وله الاولیة والآخریة والظاہریة والباطنیة والعبودیة والربوبیة  
 اما الاولیة فظاہر مما اسلفنا والیہ الاشارة بقوله صلى الله عليه وآله اول  
 ما خلق الله نوری اور وحی مع انہ اول بالقصد والرتبة ایضاً واما الآخریة  
 فلا تہ اخر مراتب الوجود فی سلسلۃ العود و آخر ما ینظر من الموجودات فی الخارج  
 واما الظاہریة فبالجسم والخلق واما الباطنیة فبالروح والامر واما العبودیة فبال  
 الحاجة والحدوث والمربوبیة واحتمال التکالیف والاذی واما الربوبیة  
 فللتربیة لافراد العالم کلہا بالخلقة الالهیة والنشأة الروحانیة فانه یأخذ  
 من جملة الروحانیة عن الله سبحانه ما یتطلبہ الرعا یا  
 و یتلغہ بحجة الجسمانیة الیہم وبہاتین الجمعیین یتیم امر خلافة کما قال سبحانه ولو  
 جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبنا علیہم ما یتیسون لیجالسکم فیتبلغکم امری  
 ولكل من افراد الانسان نفسی من ہذا الخلافة کاملة کان او ناقصاً بقدر  
 حصۃ انسانیہ کما قال الله تعالی هو الذی جعلکم خلائف فی الارض مخاطباً  
 لكل فاکل مظاهر جلال ذاتہ وجمال صفاتہ فی مراۃ اخلاقہم الر بانیتہ حیث  
 تجلی لہم فی قلوبہم الزکیۃ والناقصون ینظرون جمال صنائعہ وکمال بدائعہ  
 فی مراۃ حرفہم و صنائعہم حیث استخلفہم فی کثیر من الاشیاء و ابرزہ فی ایدہم  
 کالجزۃ والخیاطة والبناء بعد ان خلفہم بالاستقلال

فاما ان مرأت آگاہی حق

پادشاہان منظر شاہی حق

عشق ایشان عکس مطلوبی او

خبر و آئینہ خوبی او

ومن خلافتہم تدبیر کل منہم ما یتعلق بہ من الامور کتدبیر السلطان  
 للملک وصاحب المنزل لما تزلہ وادناہ تدبیر الشخص لبدانہ والخلایفۃ العظمیٰ



للكامل وقد ورد كل كمر ارج وگلگد مسؤل عن رعایت

پس امام نے الحقیقت خلیفہ اللہ ہے وہ اول بھی ہے آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اسی کے لئے  
 ہے عبودیت و ربوبیت۔ اب رہی اولیت اس کی طرف اشارہ ہو چکا اور اس کی طرف حضرت سولہ صلی اللہ  
 علیہ وآلہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو یا میری روح کو پیدا کیا۔ مانی یہ  
 اولیت بالتقصیر ہے اور اس کے رتبے اور منزلت کے لحاظ سے بھی رہی آخریت وہ اس لئے ہے  
 کہ امام یا خلیفہ اللہ یا انسان کامل سلسلہ موعود میں سب کے بعد ہے یا یوں کہو کہ موجودات میں سب  
 آخر اس کا ظہور ہوا ہے۔ اور ظاہریت بلحاظ جسم و عالم خلق ہے اور باطنیت روح اور امر کے لحاظ سے۔  
 اب عبودیت اس کے واسطے یوں مسلم ہے کہ وہ بالذات محتاج ہے۔ حادث ہے۔ مربوط ہے۔ تکالیف  
 و ذلتیں اس پر وارد ہوتی ہیں۔ لیکن ربوبیت اس لئے کہ وہ کل افراد عالم کی تربیت کرتا ہے۔ خلافت  
 الہیہ اور نشاۃ روحانیہ کے لحاظ سے پس وہ از جہت روحانیت مطلوبات رعایا کو خداوند عالم سے اخذ  
 کرتا ہے اور از راہ جہانیت ان کی طرف پہنچاتا ہے۔ انہیں دونوں جہتوں کے سبب سے امر خلافت  
 انجام کو پہنچتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ اگر ہم اس (رسول) کو فرشتہ خلق کرتے تو بھی ہم اسے  
 مردہ ہی خلق کرتے اور اسے وہی لباس (انسانیت) پہناتے جو یہ پہنے ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ تمہارا  
 ہم جنس ہو۔ اور ہمارا حکم تمہیں پہنچا دے اور افراد انسانہ میں سے ہر ایک فرد کے لئے خواہ وہ کامل  
 ہو یا ناقص۔ اس خلافت کا حصہ اس کی انسانیت کی مقدار کی موافق مقرر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا  
 ہے کہ خدا نے تم سب کو خلیفہ قرار دیا۔ یہ خطاب سب سے ہے۔ اور سب کے سب اپنے اخلاق ربانیہ کے  
 آئینہ میں جلال ذات و جمال صفات کی منظر میں اور انھیں اخلاق پر نظر کرتے ہوئے قلوب مصطفیٰ  
 میں اس کو تجلی نظر آتی ہے اور جو ناقص ہیں وہ اس کے جمال صنایع و کمال بدائع کا اپنے پیشوں  
 اور اپنی اپنی صنعتوں کے آئینوں میں انہماک کرتے ہیں۔ بایں حیثیت کہ خداوند عالم نے انھیں بہت  
 سی اشیاء میں خلیفہ بنایا ہے اور ان چیزوں کو ان کے ہاتھوں سے ظاہر کیا ہے جیسے کہ قصابی  
 خیاطی۔ معاری وغیرہ۔ پس یہ مظاہر تو ہیں لیکن مظاہر ناقصہ ان کی خلافت کا راز اس طرح معلوم کرو  
 کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے امور متعلقہ کی تدبیر میں مصروف ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنے مالک کی  
 تدبیر میں مشغول ہے اور صاحب خانہ اپنے گھر کے انتظام کی درستی میں اور ادنائے تدبیر یہ ہے کہ



انسان اپنے بدن کی تدبیر میں مجبور ہے۔ لیکن خلافت عظمیٰ الہیہ وہ انسانِ کامل کے لئے ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ تم سب کے سب اپنی رعایا پر نگہبان ہو اور تم سب سے تمہاری رعایا کی نسبت سوال کیا جائے گا۔

اس تقریر سے خلافت الہیہ کا راز کھلتا ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ خدا کس وجود مقدس کو کہتے ہیں۔ یہی وہ خلافت ہے جو ابداً باؤتک باقی ہے۔ ولقد وصلنا لهم القول لعالم یستندکما وہی وہ خلیفہ علی الاطلاق ہے جس کی حکومت جملہ سوسے اللہ پر جاری ہے اور کوئی شے اس کے دائرۃ اطاعت سے باہر نہیں۔ وہی مرکز عالم ہے۔ یہی وہ آفتاب عالم تاب ہے جس کے وجود سے ہزار ہا نظام شمسی وابستہ ہیں۔ یہی شمس اشعوس عالم ایجاد ہے اسی حکومت مطلقہ کا نام ولایت مطلقہ ہے۔ یہ حاصل نہیں مگر محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کو۔

باقی تمام نبوتیں رسالتیں اور ولایتیں اسی ولایت مطلقہ کے ماتحت ہیں انما ولیکم اللہ ورسولہ فالذین امنوا الخ یہی وہ خلیفہ برحق انسانِ کامل ہے جس کے وجود سے تمام عوالم کا وجود وابستہ ہے۔ طبقات زمین و آسمان اسی کے ماتحت حکم گردش کر رہے ہیں۔

الحمد لله الذی جعل الانسان الکامل معلم الملوک وادار بافئسارہ طبقات لفلک کوئی شے اس کی اطاعت سے باہر نہیں۔ اس لئے کہ فیض ربوبیت اسی کی ذات سے پہنچ رہا ہے اور تمام مخلوقات کا مرجع یہی ہے۔

یا ایہا الانسان انک کادح الخ لے ربک کدحاً فملہ قیہ۔ اے انسان تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں سخت کوشاں ہے تو ضرور اس سے ملائی ہو گا۔ یہ کوشش ایک طبعی کوشش ہے بغیر اس کے مقرر نہیں۔

ایاب الخلق الیکم وحسابہم علیکم

مخلوق کی بازگشت دے اہل بیت محمد تمہاری ہی طرف ہے۔ اور ان کا حساب تمہارے ہی اوپر ہے۔ تمہیں ان کے محاسب ہو۔ اس اطاعت کا راز اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو دیدہ بصیرت کھولو۔ اور دیکھو۔ ان اللہ جعل الہ عز و جود الانسان الکامل بمنزلہ امام یجتہم عند الخلق من البسائط والمراکبات والکائنات العنصریۃ والامناس السماویۃ وقبائل



من الملائكة وجنود مجندة من عالم الغيب ليعدل باجتماعها احوالها وجعل  
 ضوء الشمس ونور القمر ساجدين على بابها والليل والنهار دابئين بها طالعين  
 عن ساحتها واطرافها وكذلك جعل الماء والهواء عاكفين على سطحها دائرين  
 حولها وكذلك جعل الكواكب من جهة وقوع اشعتها بمنزلة من يهوى براسه الى  
 التخت للعبود وكذلك النباتات بحسب وضعها الطبيعي الارتفاع بمنزلة من يضع  
 راسه على البساط للعبود والنجم والشجر يسجدان وكذلك حال الحيوانات في  
 انكبابها على الارض وخضوعها وكل ذلك لاجل وجود خليفة الله في هذه الارض  
 وامام الناس وقطب العالم كما قال تعالى اتي جاعل في الارض خليفة فاذا  
 قال ربك للملائكة اني خالق بشرا من صلصال من حماء مسنون فاذا سويته  
 ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين فالملائكة كلهم اجمعون الا ابليس  
 الى ان يكون مع الساجدين فالخليفة هو الغاية المقصود من وجود الملائكة  
 المقصد الاقصى من خلقه بنى ادم وهو الثمرة العليا واللباب الاقصى وخلق  
 من فضالة سائر الالكوان لحاجته اليها ولئلا يميل كل قابل ما يستحق كما قال سبحانه  
 في حديثه القدسي خلقت الاشياء لاجلك وخلقتك لاجلي وقال الله تعالى  
 لو لاك لما خلقت الافلاك اي بما فيها وعن النبي صلى الله عليه وآله يا علي لو لا  
 نحن ما خلق الله آدم ولا حواء ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الارض ولهذا  
 جعل الله سبحانه المخلوقات العالية والسافلة كلها مسخرة له مطيعة اياه كما  
 قال سبحانه وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره ان  
 في ذلك لآيات لقوم يعقلون وما ذرأ لكم في الارض نخلة الا لوانه ان في ذلك  
 لآيات لقوم يتذكرون وهو الذي سخر لكم البحر لتاكلوا منه لحما طرياً وتسخر جوامد  
 حلية تلبسونها فاشار في هذه الايات الى تسخير لئلا الكواكب والحيوانات والنباتات  
 والجوامد ثم اجمل وقال سخر لكم ما في السموات وما في الارض وقال سخر لكم ما  
 في الارض جميعاً وكان غير الاله انسان انما خلق الانسان والانسان خلق للكمال



منہ والکامل للکامل منہ والاکمل لله سبحانه انظر ثم انظر الى الكائنات العنصرية  
 كيف سلكت سبيل العالم الانساني وتوجهت شطر كعبة القبلة الذي فيه ايات  
 بينات في حيرورة الاجسام الاسطقسية البعيدة الشبه له غذاء لطيف بعد  
 تلطفها يسيرا يسيرا وتحويلها من حال الى حال وطبها درجات النبات والحيوان وقطع  
 مسالكها البعيدة ودخولها في بلدة قلوبه وعالمه طالعة مسلمة له دخول الناس  
 في دين الله افواجا وذلك لكونها مفضولة في خد مترا الانسان وسجدة ادم حركة  
 اليه طلبا وشوقا وتعيد الدين الله طوعا او كرها جميع الكائنات فدأء الله انسان  
 متحول اليه وليس فيه تبدل الى غيره لا تبدل لکلمات الله فاقم وجهك للدين حنيفا  
 فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبدل لخلق الله ذلك الدين القيم فمعا العالم  
 هو ذات الانسان ومعا دال انسان الى الهوية الالهية وبمفاتيح علمه وصفا ليد  
 مملكة تفتح ابواب السماء والارض بالرحمة والمغفرة والحكمة والمعرفة۔

خداوند عالم نے انسان کا کل کی خاطر سے زمین کو بمنزلہ امام قرار دیا۔ تمام خلایق خواہ  
 وہ بسائط ہوں یا مرکبات۔ کائنات عنصریہ ہو یا آثار سماویہ۔ ملائکہ کے قبیلے اور عالم غیب  
 کے آراستہ لشکر سب زمین پر جمع ہوتے ہیں۔ تاکہ اس اجتماع سے اس کے مزاج میں اعتدال  
 پیدا ہو۔ پھر شمس و قمر کی عنو کو باب الارض پر سجدہ کرنے والا قرار دیا۔ اور لیل و نہار کو خلق  
 فرمایا کہ وہ اس پر چلیں اور اس کے ساحت اور اطراف پر اطاعت کرتے ہوئے چلیں۔  
 اسی طرح آب و ہوا کو حکم ہوا۔ کہ وہ اسکی سطح پر اعتکاف کریں۔ اس کے گرد طواف میں مشغول  
 ہوں۔ اسی طرح کو اکب کو خلق فرمایا۔ جنگی شعاعیں زمین پر آرہی ہیں۔ گویا کو اکب سجدے کے  
 لئے اپنا سر جھکا رہے ہیں۔ یہی کیفیت نباتات کی ہے کہ وہ بحسب وضع طبعی انتکاسی گویا مصلے  
 پر سجدہ کے لئے سر خم کئے ہوئے ہیں۔ حیوانات میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے کہ جن کے سر  
 زمین کی طرف جھکے ہوئے خصوص و خشوع میں مصروف ہیں۔ یہ تمام باتیں خلیفۃ اللہ نے  
 الارض۔ امام الناس اور قطب عالم کے وجود کے سبب سے ظہور میں آرہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد  
 ہوتا ہے۔ میں زمین میں ایک خلیفہ خلق کرنے والا ہوں۔ نیز فرماتا ہے اس وقت کو اسے پیغمبر



یاد کر جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں نبیجے والی اور اس مٹی سے جس پر بہت دن گذر چکے ہیں اور جس پر گویا عدم کی ظلمت چھائی ہوئی ہے ایک بشر کو خلق کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کا گھو یہ کر لوں اس کے اعضاء و حالت اعتدال میں آویں اور میں اپنی تھوڑی سی روح دشعاع روح اعظم اس میں پھونک دوں تو تم فوراً اس کے سامنے سجدہ میں گر جانا پس تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس سا جدمین میں شمار ہونے سے منکر ہو گیا۔ پس خلیفہ وجود عالم کی انتہائی غائت ہے۔ خلقت بنی آدم سے مقصد اصلی وہی ہے۔ وہی ثمرہ اعلیٰ ہے۔ وہی جو ہر مصنفے ہر اور تمام کون و مکان اسی کی بچی ہوئی مٹی سے خلق کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اسے ان دخدم و حشم کی ضرورت ہے اور نیز ہر وہ شے جو کسی نہ کسی خدمت کا استحقاق رکھتی ہے مہل نہ رہ جائے جیسا کہ حدیث قدسی میں اپنے حبیب سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے خلق کیا اور تجھے اپنے واسطے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان و ما فیہما کو خلق نہ کرتا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے علی اگر تم نہ ہوتے تو خداوند عالم کو پیلا کرتا نہ حوا کو۔ نہ جنت کو نہ دوزخ کو نہ آسمان کو نہ زمین کو نہ

غرض توئی ز وجود ہمہ جہاں ورنہ

لما تکتون فی الکون کائن لولاک

اسی لئے خداوند عالم نے مخلوقات علوی و سفلی کو بالتمام اس کا مسخر بنایا، اس کا مطیع قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ تمہارے لئے لیل و نہار شمس و قمر و نجوم کو مسخر کر دیا۔ یہ تسخیر اس کے حکم سے ہے۔ اسی تسخیر میں صاحبان عقل کے لئے بشیائر و نشانیاں ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے جن کے قسم قسم کے رنگ ہیں یہ تمہارے ہی لئے ہے اس میں دیدہ و عبرت کے لئے بہت سی آیات ہیں۔ وہ خدا جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ بہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے آرائش کی چیزیں نکالو۔ اور انھیں پہنو۔ پس ان آیات مبارکہ میں کو اکب و حیوانات و نباتات و جمادات کی تسخیر کی طرف جو ہمارے لئے ہر اشارہ فرمایا ہے یہ تو تفصیل تھی پھر محلاً ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے وہ تمہارا مسخر ہے جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارا مسخر ہے بنایا گیا ہے پس اس کے معلوم ہو کہ غیر انسان جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لئے خلق ہوا ہے



اور انسان مخلوق ہوا ہے۔ انسان کامل کے واسطے۔ اور انسان کامل اکمل کی خاطر اور وہ اکمل حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے۔

دیکھو دیکھو کائنات عنصریہ کو دیکھو۔ کس طرح عالم انسانی کی طرف چل رہی ہیں۔ اور کیونکر اس کعبہ کا رخ کر رہی ہیں۔ جس میں آیات بنیات ہیں۔ پہلے اجسام اسطقیہ کی شکل اختیار کی جو مشابہت بعیدہ رکھتے تھے۔ پھر ان میں تھوڑا تھوڑا تلمطف ہوا۔ ایک حال سے دوسرے حال کی جانب گردش ہوئی درجات بنائیہ و حیوانیہ کی اور ان مسالک بعیارہ کو قطع کر کے غذائے لطیف بنایا اب انکا شیر قالب انسانی و عالم انسانی میں داخل ہوا اسطرح کہ جیسے کہ لوگوں کا فوج فوج دین الہی میں داخل ہونا۔ یہ تمام امور اسی لئے ہیں کہ یہ اسشیاء بالفطرۃ انسان کی طاعت اور آدم کے سجدہ کے لئے مامور ہیں۔ یہ نہایت ہی شوق اور طلب کے ساتھ متحرک ہیں۔ دین الہی کے سامنے طوعاً و کرہاً سر جھکائے ہوئے ہیں۔ پس جمیع کائنات انسان پر قربان ہے اس کی طرف پلٹ رہی ہے اس میں ہرگز تبدیلی نہیں۔ کلمات خدا کے لئے تبدیلی کہاں ہے اے صاحب بصیرت تو بھی دین الہی کے لئے کھڑا ہو جا اور ثابت قدم رہ کر کھڑا ہو۔ یہ وہ فطرت الہی ہے۔ جس پر خدا بنے لوگوں کو مقرر کیا ہے۔ خلق الہی میں تبدیلی ہونہیں سکتی۔ یہی دین قائم اور قائم رہنے والا دین ہے۔ پس تمام عالم کی بازگشت ذات انسان کی طرف ہے اور عام انسان کی انسان کامل کی جانب اور انسان کامل کی ہویت الہیہ کی طرف۔

ایاب الخلق الیکم وحسابہم علیکم

پس اسی انسان کامل کے علم کی مفتاح اور اس کی مملکت کی کنجیوں سے زمین و آسمان کے دروازے رحمت و مغفرت و حکمت و معرفت کے ساتھ کھلتے ہیں۔

اہل عقل اور وہ اہل عقل جن کے دیدہ بصیرت روشن ہیں جب اس نظام فطرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو نہایت استحکام کے ساتھ اپنی پیدائش کی علت غائی کا اظہار کر رہا ہے تو انہیں صاف معلوم ہوتا ہے اور بغیر کسی شک و شبہ کے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام سجاوٹیں۔ تمام رنگینیاں۔ تمام استحکامات اسی کے لئے ہیں جو نے الحقیقۃ خلیقہ اللہ ہے جو انسان کامل ہے جو خلاصہ آفرینش ہے جو علت غائی موجودات ہے۔ جو ظہور صفات کمالیہ الہیہ کا آئینہ ہے اور تمام اسمائے حسنی الہیہ کا



ظہور اسی سے ہوتا ہے۔ واللہ الا سماء الحسنیٰ فدعوا بہا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ  
خدا کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں تم انہیں اسماء کے وسیلے سے خدا کو پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو درجہ  
اسماء الہی الحاد سے کام لیتے ہیں۔ قال امیر المؤمنین علیہ السلام انا اسماء الحسنیٰ میں اسماء حسنیٰ  
ہوں۔ یعنی کل اسماء الہی کا ظہور بحیثیت جمع میری ذات سے ہوتا ہے۔ اور معانی اسماء ہی بزرگوں میں  
جابر بن عبد اللہ عن ابی جعفر علیہ السلام انہ قال یا جابر علیک بالبیان المعانی  
قال فقلت وما البیان والمعانی فقال علیہ السلام اما البیان فہو ان تعرف اللہ سبحانہ  
لیس کمثلہ شیء فتعبدہ ولا تشرك به شیئا واما المعانی فہن معاینہ ونحن جنبہ ویرہ  
ولسانہ وامرہ وحکمہ وکلمتہ وعلمہ وحقہ اذا شئنا شاء اللہ ویرید اللہ ما نریدہ و  
نحن المثانی التي اعطی اللہ نبیا ونحن وجه اللہ الذی یتقلب الارض بین اظہر کمفوں  
عرفنا فاما ما یقین ومن جہنا فاما ما یحین ولو شئنا خر قنا الارض وصعدنا السماء  
وان الینا ایاہ ہذا الخلق ثم ان علینا حسابہم۔

جابر بن عبد اللہ نے حضرت باقر علوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہے۔ حضرت نے جابر  
سے فرمایا کہ اے جابر تم بیان و معانی کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ عرض کیا یا مولا بیان و معنی سے کیا مراد  
ہے فرمایا بیان یہ ہے کہ تو خداوند جل و علا کو پہچانے کہ اس کے مثل کوئی شے نہیں۔ اور تو اسکی  
عبادت کرے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائے لیکن معانی۔ پس ہم اس کے معانی ہیں۔ ہم اسکی  
جنب دہلو ہیں۔ ہم اس کے ہاتھ ہیں۔ ہم اس کی زبان ہیں۔ ہم اس کا امر ہیں۔ ہم اس کا علم ہیں  
ہم اس کا کلمہ ہیں۔ ہم اس کا علم ہیں۔ ہم اسکا حق ہیں۔ جب ہم چاہتے ہیں تو خدا چاہتا ہے۔ اور  
جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو خدا ارادہ کرتا ہے۔ ہم وہ معانی ہیں جنہیں خدا نے اپنے نبی کو عطا کیا ہے  
ہم وہ وجہ اللہ ہیں۔ جو تمہارے پس پشت زمین کو گردش دیتا رہتا ہے۔ پس جس نے ہماری معرفت  
حاصل کرنی اس کے سامنے یقین ہے اور جس نے ہماری معرفت سے جہالت اختیار کی اس کے  
سامنے یقین ہم چاہیں تو زمین کو شق کر دیں۔ آسمان پر صعود کر جائیں۔ اس مخلوق کی بازگشت  
ہماری طرف اور ان کے محاسب ہمیں ہیں۔

جو انسان خلافت علیا اور ربوبیت عظمیٰ کو سمجھ لیتا ہے اس کے قلب کی آنکھیں کھل جاتی ہیں



ویدہ بصیرت دا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کسی قدر جان جاتا ہے کہ ان کی شان کیا ہے۔ یہ وہ نور ہے کہ جب قلب میں آتا ہے تو وہم و وسواس پھر اس کے پاس نہیں آتے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ حقیقت معجزہ کیا ہے۔ معجزہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی نگاہ میں تصرف و لایت کی تصویر پھر جاتی ہے۔ وہ دلائل گلیل سے مستغنی ہو جاتا ہے وہ بتا دیتا ہے کہ معراج کیونکر ہوئی۔ شق انور کیا ہے؟ رجعت شمس کیسے ہو سکتی ہے اور جب تک انسان اس نقطہ سے الگ رہتا ہے۔ خیالات باطلہ اسے طیرے رہتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے کہ اگر کسی نفس صافیہ میں اسکا فیض پہنچ جائے تو بس وہ عالم ہے یہی وہ نقطہ علمیہ ہے جس سے ہزاروں خطوط علمیہ نکلتے ہیں۔

العلم نقطۃ کثرھا الجاہلون۔ حقیقت علمیہ کا یہ ارشاد غالباً اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بسم اللہ کا نقطہ ہی ہے۔ جو شخص اس راز تک پہنچ جاتا ہے۔ خود بخود اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ ایسے خلیفہ برحق سے کبھی زمین و آسمان خالی نہیں رہتے۔ اس لئے کہ ان کا قیام موقوف ہے بحیث قیومہ الہی پر۔ اور اس معیت قیومیہ کا تعلق مخلوقات سے نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ وساطت وسیلہ پس ایسا وسیلہ۔ ایسا واسطہ ہر زمانہ میں ہونا چاہئے۔ قیام اشیا اس کے وجود کی دلیل ہے۔ بلکہ یوں کہو اشیا کا وجود نہیں۔ مگر اس کے وجود کے ساتھ گویا وہی وجود اشیا ہے۔ پس عالم میں وجود اسی کا وجود ہے۔ بانی بالطبع اور بالعرض

توضیح لطیف یہ ہے کہ ذات واجب الوجود بمقام ہویت مطلقہ غیب الغیوب ہے نہ وہاں وہم کی رسائی ہے نہ عقل کی نہ علم کی نہ فہم کی اس لئے کہ علم نہیں ہے مگر انہی خلاف ہے۔ اور مقام ہویت مطلقہ میں خلاف کہاں کا تشکک وافی ذات اللہ۔ ذات خدا میں ہرگز فکر نہ کرو۔ یہ وہ مقام ہے جو مسکوت عندہ۔ منقطع الاشارات و منقطع الوجدان ہے۔ پس اس ذات واجب الوجود نے جب تجلی و ظہور چاہا تو اسباب کثرت مشخص ہو گئے۔ اور اس تجلی کی حقیقت اور نور الانوار فعلی و فاعلی و مفعولی وہی حقیقت محمدی و علوی ہے جو انجام میں ہر روی آخر الزمانی کے نام سے موسوم ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ ادلنا محمد۔ اخرنا محمد۔ اوسطنا محمد۔ وکلنا محمد۔

روئے محمدی ہیں تا برسی بہ منتہا

قول محمدی شنو۔ راہ محمدی برو

عین ہدایت علی۔ راہنمائے انبیا

شاہ ولایت علیؑ۔ جام شہادتم علیؑ



ناصر انبیا علیؑ - حاصل اولیا علیؑ

واصل کبریا علیؑ تا نہ کنی تو ما جبراً

نقطہ ما و ہو علیؑ - خازن لا و ہو علیؑ

در ہمہ شے ہو علیؑ - زانکہ علیؑ است از خدا

شمس علیؑ است در دلم نور علیؑ حاصل

من بعلی چہ و اسلم - یافتہ ام سر خدا

جب اس نقطہ سے انسان واصل ہو جاتا ہے تو ہرگز وہ استبعادات عقلیہ جو فی الحقیقتہ ہو جس  
شیطانہ ہوتے ہیں۔ اس کے سدا رہ نہیں ہونے نہ بات بات پر خیالات کفر اس کے ذہن میں  
آتے ہیں اور نہ وہ قدم قدم پر چو کنا ہوتا ہے۔ فی الحقیقت کفر و اسلام کی حقیقت کو وہی خوب  
سمجھتا ہے

واقعاً ابھی ہم اور وہ ہم جو متمسک بد امان علیؑ مرتضیٰ کہلاتے ہیں اس نقطہ سے بہت دور ہیں  
ایک محقق بصیر کا قول ہے۔

فمعرفۃ العامۃ لعلیٰ انہ فارس الفرسان وقاتل الشجعان و مبدی الاقران  
ومعرفۃ الخاصۃ لہ انہ افضل من فلان وفلان فلذلک اذا سمعوا اسرارہ  
انکروا واستکبروا و ذہلوا و جہلوا و ہم فی جہلہم غیر ملومین لانہم لو عرفوا  
ان محمدؐ هو الواحد المطلق وان علیاًؑ هو العلی المطلق فلہم الولاية علی الكل وسبق  
علی الكل و لتصرف فی الكل لانہما العلة فی وجود الكل فلہما السیادة علی الكل لكنہما  
خاصۃ الہ الكل و عبدی الہ الكل و مختاری معبود الكل سبحان الہ الكل و رب الكل  
و خالق الكل و مفضل محمدؐ و علیؑ علی الكل و المستعبد بولايتہم و طاعتہم الكل  
فمن عرف من مراتب الہ بداع و الہ ختر اع ہذا القدر و تدبر لا عرف مقام الہ  
محمدؐ صلوات اللہ علیہم۔ عوام کے نزدیک علیؑ کی معرفت یہ ہے کہ آپ شہسواروں کے شہسوار  
تھے اور بڑے بڑے شجاعوں کے قتل کرنے والے تھے۔ اپنے اقران و امثال کے ہلاک کرنے والے  
تھے اور بس۔ اب رہے اہل خصوصیت ان کے نزدیک علیؑ کی معرفت اور بہت بڑی معرفت  
یہ ہے کہ آپ فلاں و فلاں سے افضل تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ جب اسرار علوی کو سنتے ہیں  
تو اس سے انکار کرتے ہیں۔ استکبار کرتے ہیں۔ ذہول بنتے ہیں۔ جہل سے کام لیتے ہیں  
اور اس جہل کو دیکھ کر انھیں کچھ ملامت ہی نہیں کی جاسکتی۔ کاش یہ جانتے کہ بیشک محمدؐ وہی خدا



مطلق ہے اور علی وہی علی مطلق ہے۔ پس ان دونوں کے لئے ولایت کلمہ ہے۔ یہ سابق علی اکمل ہیں۔ انہیں تصرف فی اکمل حاصل ہے۔ اس لئے کہ یہ اکمل وجود کی علت ہیں پس انہیں سیادت علی اکمل حاصل ہے۔ لیکن یہ اس کے مخصوص و مقرب ہیں جو الہ اکمل ہے اس کے بندے ہیں جو سب کا پروردگار ہے۔ معبود کل کے اختیار کردہ ہیں۔ پاک ہے وہ پروردگار جو سب کا مرجع ہے۔ سب کا پرورش کنندہ ہے سب کا خالق ہے جسے محمد و علی کو کل مخلوق پر فضیلت بخشی کل مخلوقات سے ان کی ولایت و اطاعت کے ذریعہ سے عبادت چاہی۔ پس جو شخص مراد ابداع و اختراع میں سے اسی قدر جان لے اور تدبیر سے کام لے تو وہ مقام آل محمد کا عارف ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اسی رمز کو نہ جاننے سے امام زمانہ کے وجود میں شبہات عارض ہوتے ہیں۔ اور انہیں اسرار تک رسائی حاصل نہ کرنے سے مسئلہ رجعت میں شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں حقائق تک نہ پہنچنے سے طول عمر امام زمانہ کی نسبت انسانی عقول اور امام شیطانیہ کا شکار ہو رہی ہیں اگر مقامات محمد و آل محمد کو مسلمان سمجھ لیتے تو پھر یہ طوفان بے تیزی اسلام میں نظر نہ آتا۔ اور یہ مقام نہیں حاصل ہوتا مگر نور ایمان کے ساتھ۔ قلب بصیر کے ساتھ۔ قرآن میں تدبیر کے ساتھ۔ خضوع و خشوع کے ساتھ۔ ریاضات نفسانیہ شرعیہ کے ساتھ۔ احادیث معصومین سے مانوس ہونے کے ساتھ۔ بغیر انس باحادیث معصومین کے اس کی فہم مشکل ہے۔

بڑی مشکل جو آج کل نازل ہو رہی ہے وہ یہی ہے کہ احادیث سے انس اٹھ گیا۔ اور وہ گوہر بے بہا جو ان ذخائر میں چھپے ہوئے ہیں۔ ان سے عقلیں بہت دور جا پڑیں۔ نظام العلماء تبریزی مسئلہ جبر و تفویض کی شرح از روئے احادیث کرتے ہوئے جو موہم بکبر ہیں، بیان فرماتے ہیں اور ہم اس عبارت فارسی کا ترجمہ کئے دیتے ہیں ”تحصیل علوم جو اس زمانہ میں جاری ہے اس کے مقدمات ہیں علم۔ لغت و صرف و نحو منطق و حساب و معانی و بدیع و بیان۔ اور اس کے نتائج منحصراً ہیں علم فقہ و اصول فقہ میں۔ اس زمانہ کے طلباء کی ابتداء سے تحصیل علم صرف میر سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا شرح کبیر اور قوانین پر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ تمام علوم حق ہیں صحیح ہیں۔ لازم التحصیل ہیں۔ ضرور انہیں تحصیل کرنا چاہئے۔ سمجھنا چاہئے لیکن ان میں سے ہر ایک کا



موضوع جدا ہے۔ اور اس کی غایت جدا۔ ان کو مسئلہ جبر و تفویض سے کیا تعلق۔ واضح ہو کہ کہ یہ مطالب (جو ہم نے اس رسالہ میں بیان کئے) نہ صرف میر میں ہیں نہ تصریف میں نہ عوالم جرجانی میں نہ انموذج زحشری میں نہ شرح سیوطی میں نہ جامی میں نہ مطول میں نہ مختصر سعد تفتازانی میں نہ معالم و قوانین میں نہ شرائع و شرح لمحہ میں نہ شرح صغیر میں نہ شرح کبیر میں بلکہ وہ عالم جو مقدمات میں سیبویہ و اخفش کا استاد ہو۔ اور قوانین اصول و شرایع فقہ میں مسلم کل۔ وحید عصر و فرید ہر ہو۔ ان مطالب کی تحقیق کے وقت نظر بصیرت میں اس میں اور ایک عامی میں چنداں تفاوت نہیں۔ ان مطالب میں اگر وہ دخل دے تو ایسا ہی ہے جیسا کوئی لوہار زرگری میں دخل دے یا معالج حیوانات طبیب انسانی کے معالج میں مداخلت کرے۔ ان مطالب میں وہی شخص دخل دے سکتا ہے جس نے ان مسائل میں بھی قوت اجتہادی بہم پہنچائی ہو۔ روایات و اخبار میں جو اس کے متعلق ہیں کافی غور و فکر کی ہو۔ اور علاوہ علوم مرسومہ کے وہ راہ جو اللہ بدی عبادات علیہم نے ان مطالب کے لئے قرار دی ہے۔ اس میں بھی تعمق و تفکر سے کام لیا ہو والا بعض تحصیل مقدمات و تحصیل فقہ و اصول یہ مسائل مشککہ حل نہیں ہوتے۔

بیچارہ مدعی کند اظہار علم و فضل      نشاۃ قبول زرجب راز ردی

آحادیث و آیات کی تفسیر اپنی رائے سے نہیں ہو سکتی۔

بارگفتہ ام و بار و گر میگویم      کہ من دل شدہ این رہ نہ بخودی پویم

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند      آنچه استاد ازل گفت ہمہ نے گویم

اس رسالہ مختصرہ کے مطالب حوصلہ فہم فقیر سے باہر ہیں۔ اور استنباط حقیر کے انداز سے برتر پس ان پر اعتماد کر۔ توجہ سے کام لے۔ اس کی قدر کو سمجھ اسے میرا قول تصور نہ کر۔ میں کیا اور میرا قول کیا ہے۔

بلبل از نفیس گل آہوخت سخن ورنہ نبود      ایں ہمہ قول و غزل تعبیر و منتقار شش

میر سے عزیز! یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ کتب حکمیہ و رسائل کلامیہ سے میں کلیتہً بے خبر ہوں اور تحقیقات حکمیہ و تاریخیات فلسفیہ کے موضوع مجھے معلوم نہیں ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ بھی میں نے مطالعہ میں شفا کی تلاش کی کبھی ہدایہ سے ہدایت کا طالب ہوا۔ لیکن گو ہر مراد نہ ملا سوائے زیادتی شہادت



و کثرت شقوق ایرادات کے اور کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے نفس کو اطمینان ہو اور اضطراب شکوک و شبہات سے آرام ملے ۵

لقد طفت فی تلك المعابد كلها  
وصیرت طرفی بین تلك المعالم  
فلم اس الا واضعاً کف حائر  
علی ذقن او قاسراً سن نادماً  
میں نے ان تمام عبادت گاہوں کا طواف کیا۔ اور ایک ایک نشان پر اپنی آنکھیں پیوست کر دیں۔ مگر میں نے جس کو دیکھا یا تو ٹھوڑی پر حیرت زدہ کی طرح ہاتھ رکھے ہوئے پایا۔ یا نادموں کی طرح دانت پیستے دیکھا ۵

بقیاسات عقل یونانی  
نرسد کس بذوق ایسانی  
گر بمنطق کسے ولی بودے  
شیخ سنت ابو علی بودے  
و کم قلت للقوم انتہ علی  
شفا حفرة من کتاب الشفا  
فلما استمھانوا بتوبیختنا  
فرعنا الی اللہ حتہ کفا  
فما توا علی دین رسطا لس  
وعشنا علی ملة المصطفیٰ

میں نے بہت لوگوں سے کہا کہ بھائی اس کتاب شفا کی بدولت تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہو۔ مگر جب وہ زبرد تو یخ کرنے لگے امانت میں کوشاں ہوئے تو ہم نے خدا کی پناہ ڈھونڈ لی۔ وہی ہمارے لئے کافی ہو گیا۔ اب یہ لوگ تو ارسطو کے دین پر مر گئے۔ اور ہم نے اللہ ملت مصطفویٰ پر زندگی بسر کی ۵

فکر بہود خود اسے دل زور دیگر کن  
در و عاشق نہ شود بیدا واسے حکیم  
دام سخت است مگر یار شود فضل خدا

اسی اثنا میں توفیق الہی شامل حال ہوئی۔ ایک بزرگ کی صحبت میسر آئی۔ اس زمانہ میں تحصیل حکمت الہی کا شوق دل پر غالب تھا لہذا کتب حکمت کا ذکر نہ کیا اور بعض حکماء کا نہایت تعظیم و تکریم سے میں نے نام لیا۔ اس بزرگ نے پوچھا کہ حکمت الہی کا موضوع کیا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا۔ وہ فرماتے لگے کہ موضوع علم اسے کہتے ہیں کہ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کیجاتی ہے۔ پس خدا کے عوارض ذاتیہ کیا ہیں۔ جن کی بنا پر اسے موضوع قرار دیا گیا ہے۔



اس کے بعد دوسرے مسائل کا ذکر نکلا اور گفتگو طویل ہوئی۔ آخر اس بزرگ نے شیخ بھائی علیہ الرحمہ کے چند شعر پڑھے جنہوں نے عجب تاثیر دکھائی ہے

چند چند از حکمت یونانیاں      حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

دل منور کن بانوار حبلی      چند باشی کا بہ لیس بوعلی

پس اس کے بعد میں ایک مدت تک مطالعہ احادیث و کتب اخبار میں مصروف رہا۔ متون احادیث کا تتبع کیا۔ ان کے معانی میں تعمق اور تفکر سے کام لیا۔ اس اثنا میں افواہ و جال اور کلمات ارباب کمال میں بھی بہت سے رموز دیکھے۔ اور معی سے تا اینکه بجز اللہ نفس کو فی الجملہ آرام ملا اور قلب میں ایک قسم کا سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ حل شہادت باطلہ اور کشف مطالب حقہ میں جملہ ماسوی اللہ سے میں نے قطع نظر کی۔ مجموعہ اخبار کو الگ پھینکا اور دامن احادیث و اخبار ائمہ علیہم السلام سے متمسک اور انہیں کے بیانات سے متوسل ہو گیا ہے

مراز منصب تحقیق انبیا است نصیب

چہ آب جویم در جوئے خشک یونانی

بحکمہ ایت علینا بیانہ کونسا مطلب ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے بیان نہیں فرمایا۔ اور کونسی تحقیق ہے کہ جس سے دعاؤ اللہ انھوں نے غفلت فرمائی ہے الخ

انشاء اللہ اگر توفیق شامل حال ہے تو اس کمال رسالہ کا ترجمہ سلیس اردو میں ہدیہ ارباب نظر کیا جائے گا۔ غرض اس ایراد کلام سے جو ہے وہ ظاہر ہے۔ وہ مطالب جن کو ہم بیان کرتے چلے آ رہے ہیں جب تک انسان کے دل میں احادیث طاہرین کی محبت و وقعت پیدا نہ ہوگی۔ ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اور یہی شے آجکل مفقود ہے اور اس کی طرف اشارہ کرنے والا مطعون۔ عجیب تماشا ہے۔ خیر۔

ان الفاظ کو دیکھنے کے بعد کسی عاقل بصیر کو شبہ نہیں رہ سکتا۔ اس کا قلب گواہی دیگا کہ امام

جو خلیفہ اللہ ہے۔ اس کے لئے اپنے امومین پر تقدم وجودی یقیناً ہونا چاہئے۔ اور ان صفات

کمالیہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جن کا ہم جملے ذکر کیا ہے۔ جب تک یہ صفات موجود نہ ہوں۔ امامت

کا تحقق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مشہور حدیث ہے اور اہل اسلام کے ہاں مسلم کہ من صفات و



امام زمانہ مات میتا جاہلیہ۔ جو شخص کہ مرگیا اور اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔

اہل عقل کو سوچنا چاہئے کہ یہ تہذیب جس ہستی کی معرفت کے لئے ہے۔ اس کی شان کیا ہونی چاہئے اور باب کمال کہتے ہیں کہ اس امام سے مراد قرآن ہے مگر ہم سخت متردد ہیں اس تاویل سے۔

واضح ہو کہ یہ ایک قاعدہ عقلیہ ہے کہ التبادر علامۃ الحقیقۃ کسی بات کے سننے ہی ذہن جس شے کی طرف دوڑ جائے وہی حقیقت ہے لہذا اس حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف رخ کرنا جب تک قرینہ واضحہ موجود نہ ہو اور معنی حقیقی متعذر نہ ہوں اس وقت تک معافی مجاز پر جانا کبھی اہل عقل کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ "امام" کے سننے سے ہرگز ذہن قرآن کی طرف

نہیں جاتا۔ بلکہ ایک ذی روح ہستی کی طرف کہنچتا ہے۔ پھر وہ کونسا قرینہ قویہ جس کی بنا پر ہم اس کے تاویلی معنی کی طرف جائیں لہذا بنائے تاویل غلط ہے۔ اس سے بھی ہم قطع نظر کرتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ حدیث کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے نہ کہ کفار کی جانب۔ کیونکہ کفار نے ابھی خدا

ورسول کو ہی تسلیم نہیں کیا۔ ان کے سامنے مسئلہ امامت کو پیش کرنا خواہ اس سے مراد قرآن ہو یا کچھ اور۔ ایک عاقل کا کام نہیں۔ اور اگر ہم اس میں عمومیت بھی لے لیں۔ اور یہ بھی تسلیم کر لیں

کہ مسلم و کافر سب ہی اس کے مخاطب ہیں تو بھی ہمارا مقصد ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بہر طور مسلمان اس کے مخاطب ضرور ہیں اور اسی شق سے ہمیں بحث ہے۔ اب مسلمان جب کہ اس کے

مخاطب قرار پائے اور ان پر معرفت امام کا بار ڈالا گیا۔ اور امام سے مراد قرآن ہے۔ تو اندریں صورت یا تو معرفت عام مراد ہے یا معرفت خاص۔ گو لفظ معرفت خود خصوصیت پر دلالت کر رہا

ہے۔ لیکن تفہیم کے لئے ہم نے اسکی دو قسمیں قرار دیدیں۔ اگر اس سے مراد معرفت عام ہے۔ یعنی قرآن کو منزل من اللہ سمجھ کر ایمان لانا تو یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ بغیر اس پر کاربند ہوئے

بحیثیت مسلم اس کو خطاب ہی نہیں ہوسکتا بحیثیت مسلم تو اس کو تو اسی وقت خطاب ہوا ہی جبکہ وہ قرآن کو منزل من اللہ سمجھ چکا ہو تو جب وہ قرآن کو منزل من اللہ مان چکا ہو اور پھر اس پر معرفت قرآن کا بار ڈالا گیا ہو تو معلوم ہوا کہ

یہ معرفت عام نہیں بلکہ معرفت خاص ہے۔ اب ال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی معرفت خاص کیا ہو عقل ہمیں ہدایت کرتی ہے کہ جو جو طریقہ جو معرفت قرآن کا ہو وہ ہرگز معرفت ہی نہیں۔ اس سے معرفت کو کیا تعلق مفکر



کے اقوال مختلفہ کا نام معرفت قرآن نہیں ہاں معرفت قرآن کی یہ شکل ہے کہ ہر زمانے میں ایسے وجود سے لیا جائے جس کے اقوال و ارشادات نص قطعی ہوں اور ارشادات قطعی نہیں ہو سکتے مگر معصوم کے عقلاً۔ لہذا ہر زمانہ میں معصوم کے ارشادات سے قرآن کو لینا چاہئے اور یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک معصوم کی معرفت نہ ہو لہذا ضروری ہے کہ معصوم کی معرفت حاصل کی جائے۔ اسی معصوم کا دوسرا نام امام ہے۔ اب ترتیب مقدمات دلیل اس طرح سمجھئے۔

قرآن کی معرفت خاصہ واجب ہے۔ اور یہ معرفت خاصہ موقوف ہے معرفت معصوم پر۔ لہذا معرفت معصوم واجب ہے۔ دوسرے طریق سے یوں سمجھو۔ کہ عدم معرفت معصوم عدم معرفت قرآن ہے اور عدم معرفت قرآن موت جاہلیت ہے۔ لہذا عدم معرفت موت جاہلیت ہے۔ اب یہ کہنا اور کہنا استہزا کرنا کہ یہ خواب و خیال ہیں تو ایسے خیال اور استہزا سے اصل مطلب پر حرف نہیں آسکتا۔ اہل عقل کا قول ہے کما قرع سمعک من العجائب فزارہ فی بقعۃ الامکان مالم یمینۃ البرہان۔ جب تیرے کانوں میں کوئی عجیب خبر پہنچے تو جب تک اس کے امتناع پر کوئی برہان عقلی قائم نہ ہو تو اسے ممکن سمجھنا (ہرگز انکار نہ کرنا)، اب ہم نہیں سمجھتے کہ عدم وجود معصوم پر کونسی دلیل عقلی قائم ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص اپنی فطرت سلیمہ کی طرف عود کرے تو اسے صاف نظر آجائے گا کہ وجود معصوم صرف ممکن ہی نہیں بلکہ ہماری حالتوں پر نظر کرتے ہوئے واجب ہے۔

دیکھو ایسے شخصوں سے جن کے دماغوں پر کسی فریق کی طرف داری کا رنگ نہ چڑھا ہو۔ جا کر سوال کرو کہ براہِ درانِ من تمہیں ایک خبر پہنچتی ہے ایسے شخص کی جسکی خبر سانی میں کذب کا امکان ہو اور ایک خبر آتی ہے ایسے شخص کی معرفت جس میں کذب کا امکان نہیں پس اندیشہ حالت تم کو نہ پہلو کو اختیار کرو گے آیا شخص ثانی تمہاری عقلوں کے نزدیک معتد ہو گا یا شخص اول ہم تو نہیں خیال کر سکتے کہ کوئی دنیا کا عقل مند شخص اول کو شخص ثانی پر ترجیح دے گا اکاملاً من اقرہ بالحیوانیۃ المصنۃ بل ہواضل سبیلاً اس مقام پر ہم قطعی نتیجہ نکالتے ہیں کہ فطرت سلیمہ ضرور رجوع کرتی ہے ایسے وجود کی طرف جس کے اقوال و ارشادات میں کذب کا امکان نہ ہو۔ یعنی یہ کہ وہ معصوم ہو۔ اب ہم سوال



کرتے ہیں کہ یہ رجوع فطرت آیا خیر ہے یا شر۔ کوئی عقلمند شق ثانی کو قبول نہ کرے گا۔  
الامان لا شعور لہ پس لامحالہ اسے خیر کہنا پڑیگا۔ پس جب اس کی خیریت مسلم ہو چکی۔ اب  
ہم کہیں گے کہ فطرت سلیمہ کو خیر سے محروم رکھنا خالق فطرت سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے  
کہ وہ حکیم ہے اور یہ حرمان یقیناً خلاف حکمت ہے۔

یہ ایک سیدہ سادہ فطری اصول ہے جو وجود معصوم کی ضرورت کو تسلیم کر رہا ہے۔  
فہ الحقیقت یہی وہ اصول فطری ہے جس پر نظر نہ کرنے سے بعض خوش مذاقوں کو دعویٰ نبوت  
کا حوصلہ ہوا۔ اگر قانون عصمت نگاہ میں ہوتا تو ہرگز کسی شخص کو ایسی جرأت نہ ہوتی اور نہ کوئی  
شخص اس کے دعووں پر لبیک کہتا اور مسلمانوں میں یہ مناقشات نظر نہ آتے۔

تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ خالق فطرت نے فطرت کی اس خواہش کے پورا ہونے کا بندوبست  
نہیں کیا جو خیر ہی خیر ہے۔ درآنحالیکہ بدن جو روح کی بہ نسبت یقیناً اخس ہے۔ اس کی  
تربیت کے سامان اس کثرت سے پیدا کئے ہیں جنکا احصاء نہیں ہو سکتا۔ پھر کیونکر عقل  
قبول کر سکتی ہے کہ اخس کی ضروریات مہیا کرنے کے لئے یہ سامان اور کیسے سامان

ابرو بادومہ و خورشید فلک درکارند

تا تو نانے بخت آری و بخت نغوری

اور روح جس پر انسان کی انسانیت منحصر ہے۔ اس کی ضروریات فطریہ سے یوں چشم پوشی  
کس قسم کی عقل ہے کہ خالق عالم کی حکمت سے انکار کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ اور لامثال مشاہدہ  
وجود معصوم کی ضرورت کو واجب نہیں سمجھ سکتا۔ ضروری حکم لگاتا ہے۔ اسی طرف اشارہ  
کرتا ہے قول معصوم لولا الامام لساخت الارض باہاجا۔

اگر وجود امام نہ ہو تو زمین مع اہل زمین کے فنا ہو جائے۔ کیونکہ فہ الحقیقت مقصود خداوند  
عالم وہی ہوتا ہے اور باقی جتنے وجود ہیں وہ سب بالبتع اور بالعرض۔

تاریخ شرائع شاہد ہے کہ کوئی زمانہ وجود معصوم سے خالی نہیں گزرا وہ زمانہ جسے زمانہ  
فترت کہتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زمین حجت خدا سے خالی تھی بلکہ اس کے یہ معنی ہیں  
کہ اس زمانہ میں کوئی نبی مقام بعثت میں نہیں آیا۔ والا حجت خدا ضرور موجود رہی ہے۔



اور یہی وہ حجت خدا ہے جو رسول سابق کی شریعت کی حامل ہوتی ہے۔ جب یہ رنگ بے اور  
فطری اصول اس کی شہادت دے رہے ہیں تو پھر کوئی عقل و عوے کرے گی کہ خاتم الانبیاء  
کے بعد دنیا وجود معصوم سے مستغنی ہو گئی۔

اس میں شک نہیں کہ اوام و ساوس شیطانہ کے حجاب جب قلب پر مسلط ہوتے ہیں تو  
انسان اس حجت خدا۔ معصوم اور امام زمانہ سے غفلت اختیار کرتا ہے۔ اسی لئے ان حجابوں کو  
دور کر کے معرفت امام زمانہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عدم معرفت امام کو موت جاہلیت قرار  
دیا ہے۔

• واضح ہو کہ حدیث مذکورہ بالا میں عرفان کی طرف اشارہ ہے نہ کہ علم کی جانب۔ ان دونوں  
لفظوں میں جو فرق ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ اور عرفان و معرفت کے معنی  
پہچاننا۔ معرفت کے لئے تو علم کا ہونا ضرور ہے۔ مگر علم کے لئے معرفت کا ہونا لازم نہیں۔ میں  
نزدیک کو جانتا ہوں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اسے پہچانتا بھی ہوں اور یہ معرفت ابتداء حاصل  
نہیں ہو سکتی مگر آثار و علامات و صفات سے۔ لہذا ضرور ہے کہ امام کر لئے کچھ ایسے صفات مخفیہ  
ہوں جو اسے امام انسانوں سے ممتاز کر دیں۔ پس جب تک ان صفات مخفیہ کو یقیناً عقلی ہونے  
اور فطرت سلیمہ جن کی طرف اشارہ کرے گی۔ انسان قبول نہ کرے وہ کبھی عارف امام نہیں ہو سکتا۔  
اور انہیں صفات کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ وہی التقدم والعلوم والقدرات والارادۃ یہ  
صفات اس کے لئے بمنزلہ اصول کمالات ہیں۔ اور عصمت اور دوسرے آثار اس کے فروع اور عصمت  
کیا ہے؟ فی الحقیقت اخلاق کا وہ نقطہ عدل ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے اور وہ کسی حالت  
میں بھی اس سے میل نہیں کرتا۔ چنانچہ انک لعلی خلق عظیم اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ان صفات کو جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ جب انسان تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس کے  
دل پر شکوک و اوام کی یورش نہیں ہوتی۔ اور وہ کبھی غیبت امام پر ہرگز اعتراض نہیں کر سکتا۔  
مسئلہ غیبت پر عقول غیر مرتبہ بہت مضطرب ہوتی ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہئے لیکن اگر یہ تربیت یافتہ ہوں  
تو کبھی انہیں اضطراب لاحق نہوتا وہ فوراً اس نقطہ پر پہنچیں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل اصول یہی مسئلہ  
غیبت پر ہے تو ضیح اسکی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو ایسے خدا کی طرف بلایا جو لطیف و خسیہ ہے۔



اور وہ ہرگز ان مادی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس دعوت کو سنکر وہ عقلیں جو خدا کو مجسم تجویز کئے بیٹھی تھیں اور عقیدہ تجسم پڑھتے پڑھتے پتھروں۔ دوات کے ٹکڑوں اور لکڑی کے پارچوں کی شکل میں خدا کو محدود کر رہا تھا۔ ان پر نہایت گراں گذرا تھا یہ امر کہ اس خدا کو کیونکر جان لیا جائے۔ جو نظری نہیں آتا۔ اس خیال نے انھیں اسی حالت میں مبتلا رکھا۔ جسپر کہ تقلید آباؤی نے جار کھا تھا۔

انھیں مقلدین اسلاف میں سے کچھ سلیم الفطرۃ لوگ ایسے نکلے جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا۔ جو مسلم و مومن کہلائے۔ ان لوگوں کے امتحانات ہوئے۔ ان کی آتش ہوئی مگر امت محمدیہ کا امتحان خصوصیت کے ساتھ اسی مسئلہ غیبت میں لیا گیا۔ خاتم الانبیاءؑ نے اپنے ایام تبلیغ میں صاف صاف اس غیبت کا اعلان کیا جسپر ایمان لانا ہر شخص کا فرض تھا۔ خواہ وہ زمانہ غیبت سے پہلے ہو یا زمانہ غیبت میں موجود ہو۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا تھا۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو اسے نگاہ شک سے دیکھتے تھے۔ اور کچھ ایسی جماعت تھی جو اس پر یقین رکھتی تھی۔ چنانچہ گروہ اول کے خیالات کی تابع وہ جماعت ہے جو منکر غیبت ہے اور فریق ثانی کی یا دیگر وہ لوگ ہیں جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر رہے ہیں واضح ہو کہ ایمان بالغیب کی تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک منکر صفات الہیہ اور خلیفۃ اللہ کی غیبت پر ایمان نہ لایا جائے۔ ورنہ انسان کو یقیناً مخاطب بننا پڑے گا۔ اس تہدید شریعہ کا۔

افتمنون بعض الكتاب وتکفرون ببعض۔

کیا تم کتاب کے ایک جزو پر ایمان لانا اور دوسرے جزو کا انکار کرنا چاہتے ہو۔ عجیب تماشا ہے جو شخص یہ تسلیم کر چکا ہو کہ ایصال فیض کے لئے مفيض کا آنکھوں کے سامنے ہونا ضروری نہیں تو وہ کبھی ایسی مہمل بات نہ کہے گا کہ وجود امام غائب سے کیا فائدہ۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ تکلیف معرفت ہم کو دی گئی ہے کہ ہم امام کو پہچانیں امام کی یہ تکلیف نہیں ہے کہ وہ ہر مکلف کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھر سے اور ہماری تکلیف کی یہ حالت ہے کہ جب ہم نے امام کو ان اوصاف کے ساتھ شخص کر لیا تو ہم اس تکلیف سے بری الذمہ ہوں گے۔ ہم پھر ہرگز یہ تکلیف نہیں ڈالی گئی کہ اس کی خدمت میں حاضر بھی ہوں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ



کبھی بھی اس قسم کی تکلیف نہیں دیکھی۔ اگر یہ تکلیف واقعی ہوتی۔ تو یقیناً تکلیف مالا یطاق ہوتی نہ صرف غیبت امام کے زمانہ میں بلکہ اس زمانہ میں بھی جب کہ امام کا وجود آنکھوں کے سامنے موجود تھا کیونکہ نظر حقیقت میں امام سے جو تعلقات ہوتے ہیں وہ روحانی تعلقات ہوتے ہیں اور کمال تعلقات یہ ہے کہ غیب و حضور یکساں ہو۔

اولیں وہ اولیں جن کی جلالت قدر اسلامیوں میں مسلم ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میں مین کی طرف سے بوئے رحمن سو نکلتا ہوں۔ رسول کے زمانہ میں موجود تھے مگر ایک دن بھی شرف حضوری سے مشرف نہ ہوئے۔ مگر تعلقات روحانی اتنے مضبوط تھے کہ ادھر خبر پہنچی کہ جنگ احده میں دندان مبارک رسول پر صدر پہنچا اور ہر سنتے ہی اولیں نے اپنے تمام نات توڑ ڈالے۔

اب رہا مسائل و احکام کا مسئلہ کہ امام جب ظاہر ہو تو اس سے مسائل و احکام پوچھ سکتے ہیں پر عمل کرنے سے نجات کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مسائل و احکام معلوم کرنے کے لئے بھی ہر شخص کو حضوری کی تکلیف نہیں دی۔ کیا اللہ کے زمانہ میں ہر شخص امام سے ہی جا کر حکم پوچھتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اللہ کی طرف سے احکام و مسائل بیان کرنے کے مجاز تھے۔ آج بھی ہیں۔ یہ سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ اور لطف الہی کا مستثنیٰ ہے کہ یہ سلسلہ تا ظہور امام زمانہ برابر قائم رہے۔

غرض اس قسم کے عذرات کہے ہیں جو صحیح عذر نہیں کہے جاسکتے۔ یہ تو ایسے عذر ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو خود اس کا نفس ان عذرات کو قطع کر سکتا ہے۔

رہا طول عمر کا اعتراض۔ معلوم نہیں اس اعتراض کا ماخذ کیا ہے آیا یہ محال عقلی ہے یا محال عادی۔ نہ تو ہم اسے محال عقلی کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ محال عقلی وہ ہے جس کا تصور بھی محال ہو۔ جیسے کہ آگ کا ایک ہی حیثیت میں ایک ہی وضع میں ایک ہی جہت سے گرم بھی ہونا اور ٹھنڈا بھی عقل ہرگز اس کا تصور نہیں کر سکتی۔ لہذا طول عمر کسی انسان کے واسطے ہرگز محال عقلی نہیں مگر ہاں جو محال کو محال کا جہت سمجھے اس سے بحث نہیں ہے۔ رہا محال عادی یعنی عقلی طور سے کوئی شے محال نہ ہو۔ مگر عادتہ محال ہو تو یہ طول عمر عادتہ بھی محال نہیں ہے۔



تاریخ شرائع بتا رہی ہے کہ بڑی بڑی شر کے انسان گذرے ہیں جو اسباب اس زمانہ میں  
 طول عمر کے موجود تھے وہ آج کا رخانہ قدرت سے فنا نہیں ہو گئے۔ پھر جب کہ اس مسئلہ کو نہ محال  
 عادی سے تعلق ہے نہ محال عقلی سے تو مواد اعتراض کس اصول کی بنا پر ہے۔ اگر کوئی اصول  
 اور کوئی برہان صحیح اس کے خلاف پر قائم ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے اور ضرور اس پر  
 توجہ کی جائے گی۔ لیکن ایک صاحب علم تو حیران رہ جاتا ہے اس وقت جب کہ ایسے اعتراضات  
 اس کے سامنے پیش ہوں جن کا ماخذ فضائے علمیہ سے خارج ہو۔

ہم جہاں تک دیکھتے ہیں اس مسئلہ میں سوائے استہزا و لالی یعنی توجہات کے اور کسی امر  
 پر اعتراض کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ لیکن اس استہزا کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے  
 اس کے کہ کہا جائے کہ اللہ یستعزیٰ بہم۔ ایک صاحب علم یقیناً اس سخر اپن کے  
 جواب سے معذور ہو گا اور اذامروا باللغو متواکرا مٹا پڑتا ہوا گذر جائیگا۔

تحریر گذشتہ میں اکثر دلائل وجود امام پر آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے۔ آپ کے  
 ذہن سے ضرور انہیں محفوظ رکھا ہو گا۔ صفات امام بھی مختصراً آپ کے سامنے پیش کئے  
 گئے ہیں۔ وہ فضول مینرہ بتا دی گئی ہیں جن سے امام کا شخص ہو سکے اور امتیاز ہو جائے  
 کہ انسانوں میں امام کا کیا درجہ ہے۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ امام نے الحقیقۃ خلیفۃ اللہ ہوتا ہے  
 جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ خلافت حاصل ہو نہیں سکتی مگر عطیہ خداوندی۔ جس کا اعلان  
 امام سابق کی زبان سے ہو جاتا ہے۔ پس یہ خلافت و امامت محض منصوص من اللہ ہے  
 کسی غیر کا قطعاً اس میں دخل نہیں۔ نہ اس کو اجماع سے تعلق ہے نہ شورائے سے نہ قروطنہ  
 سے۔ نہ اسے کوئی چھین سکتا ہے نہ لے سکتا ہے۔ بندگان خدا اگر اس خلیفۃ اللہ کے پاس  
 آئیں گے تو سعادت ابدی حاصل کریں گے۔ منہ پھرائیں گے تو اپنی ہی بد بختی کا اعلان کریں گے  
 امام یا خلیفۃ اللہ کا قطعاً کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی لئے خلیفۃ برحق امیر المومنین صلوات اللہ  
 علیہ نے خطبہ شمشقیہ میں فرمایا کہ تمہاری یہ خلافت جسے تم خلافت سمجھ رہے ہو میرے  
 نزدیک بکری کی ناک سے بہنے والی رطوبت سے بھی زیادہ حقیر ہے آپ کو یہ بھی معلوم  
 ہو چکا ہو گا کہ وجود امام ہی وجہ قیام دنیا ہے۔ وہ خواہ ظاہر ہو یا غائب۔ لیکن فیض ربوبیت



اس کی ذات سے پہنچ رہا ہے اور یہ غیبت نے الحقیقۃ ایک امتحان سخت ہے جس میں امت  
تھوری کو مبتلا کیا گیا ہے اور اس امتحان میں پورے اترنے والے لوگوں کی تعداد یقیناً بہت کم ہو  
نی الحقیقت وجود امام ایک صراط مستقیم ہے۔ اس کی پیروی اس فضا میں رہ کر جس میں  
ہواد ہوس کی ہوائیں چل رہی ہیں مشکل ہے اور سخت مشکل ہی راہ ہے جو بال سے زیادہ باریک  
اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ شیطان نے اسی راہ کو مسلمانوں پر روکا۔ چنانچہ تمام اختلافات  
اسلامیہ کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے۔ یہ ملعون قسم کھا کر آیا تھا۔ کہ ضرور میں تیرے صراط مستقیم  
پر بیٹھ جاؤں گا۔ قال فبما اغویتہ لاقعنا نلہم صراطک المستقیم ثم لا یدنقم من بین یدہم ومن  
خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائہم ولا تجد اکثرہم شاکرین۔ اس ملعون نے کہا  
کہ اس سبب سے کہ تو نے مجھے اغوا کیا۔ تو میں البتہ ضرور ان لوگوں کے لئے تیرے صراط مستقیم  
پر بیٹھ جاؤں گا۔ پھر میں آگے پیچھے دائیں بائیں غرض ہر چار طرف سے ان پر حملہ کروں گا۔ اور  
تو ان میں سے اکثر کو شکر کرے والا نہیں پائیگا۔

قبل اس کے کہ دوسرا مطلب شروع کیا جائے۔ ضمناً اس آیت کا ذکر آگیا ہے۔ اس کے  
متعلق بھی غور فرمایا ہے۔ دعویٰ اس ملعون کا یہ ہے کہ میں اول بنی آدم کو صراط مستقیم کی طرف  
جانے سے روکوں گا۔ اور جب اس مقصد میں کامیابی ہو جائے گی تو پھر میں چاروں طرف  
سے ان پر حملہ کروں گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنا والا نہ پائیگا۔  
اس مضمون کو اور واضح طور پر خیال فرمائے۔ (۱) میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ لوگوں کو صراط مستقیم  
کی طرف جانے سے روکوں گا۔

(۲) جب وہ رک جائیں گے اور میرا داؤں چل جائیگا تو میں ان پر چاروں طرف حملہ کروں گا  
اس حملے کی تشریح حسب ارشاد معصوم یہ ہے کہ سامنے سے جو حملہ ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں  
کہ امر آخرت ان کی نظر میں بے وقعت ہو جائے گا۔ پس پشت کے حملے سے یہ مراد ہے کہ میں انہیں  
مال جمع کرنے کا حکم دوں گا۔ اور پھر بخل کو ان پر مسلط کروں گا۔ تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق  
الناس ادا نہ کریں اور وہ جمع شدہ مال ان کے ورثا کے پاس رہ جائے۔ دائیں طرف سے  
جو حملہ ہوگا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ شیطان شہادت و فضائل کو ان کی نگاہ میں زینت دیکر



ان کے دین کو فاسد کر دے گا۔ اور بائیں طرف کا حملہ اس طرح ہو گا کہ لذات دنیا ان کے نزدیک محبوب ہوں گی اور شہوات کا ان کے دلوں پر قبضہ ہو گا۔

(۳) ان حملوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تو ان میں سے بہت ہی کم لوگوں کو شکر کر نیوالا پائے گا۔

یہ نمبر جو ہم نے دئے ہیں ان میں سے دوسرا نمبر پہلے نمبر پر موقوف ہے اور تیسرا نمبر دوسرے کا نتیجہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر شیطان اس پہلے نمبر میں کامیاب نہ ہو تو پھر اس کے چاروں طرف سے حمل ہو سکتے ہیں اور نہ پھر کوئی شخص ان حملوں کی زد میں آکر عدم شکر و کفر کی وجہ سے مستحق عقاب ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ پہلی شے جس سے شیطان مخلوق کو روکنا چاہتا ہے صراط مستقیم ہے اور شیطان نے بھی اس کے صراط مستقیم ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امت محمدیہ میں پہلے پہل شیطان نے کس چیز میں اختلاف ڈلوایا۔ جس شے پر شیطان نے پہلا حملہ کیا ہو گا وہی صراط مستقیم ہے۔

کوئی پڑھا لکھا آدمی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ پہلا اختلاف جو امت محمدیہ میں پڑا وہ مسئلہ خلافت میں پڑا۔ جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ شیطان نے اول اسی پر حملہ کیا۔ اور لوگوں کو اس صراط مستقیم کی طرف جانے سے روکا۔ اب دو حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک جم غفیر تو اجماع و شورے کی طرف چلا گیا۔ اور چند لوگ جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اس مسلک سے الگ رہے۔ اور آج بھی اس مسئلہ میں یہی کیفیت دیکھی جا رہی ہے اس کیفیت کو اپنے ذہن میں رکھو اور پھر شیطان کے اس قول پر نظر کرو۔ ولا تجد الاکثر ہم شاکرین جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ شکر کرنے والے بہت ہی تھوڑے رہ جائیں گے یہی جماعت قلیل ہوگی جو حملہ شیطانیہ سے بچی رہے گی۔ اور یہی وہ لوگ ہوں گے جن کا صراط مستقیم سے تعلق ہو گا اور یہ لوگ کون ہیں۔ ظاہر ہے کہ اصحاب علیؑ ہیں ولذا قال الصادق علیہ السلام الصراط ہنا علیؑ یعنی اس آیت میں صراط مستقیم سے مراد علیؑ ہیں۔

اگر کوئی خوش مذاق بطور استہزاء فرمائیں جیسا کہ آج کل کے مناظرچیوں کا شیوہ ہے کہ لا تجد الاکثر ہم الخ یہ تو قول شیطانی ہے جو حکایت نقل ہوا ہے۔ لہذا قول شیطانی سے



تسک کیسا۔ اور اس پر مشہور چھٹی بھی اڑا دیں تو ہمارے پاس اس سحرہ پن کا جواب تو کوئی نہ ہوگا  
البتہ ہم انہیں توجہ دلا دیں گے کہ وہ ازراہ مہربانی دوسری آیات کو دیکھ لیں۔

اہل عقل کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ شیطان جب اپنے یہ غرور آمیز کلمات کہ چکا در آنحالیکہ وہ  
اس سے قبل مہلت بھی مانگ چکا تھا کہ جو کچھ میں قیامت تک کروں مجھ سے باز پرس نہ ہو۔ مہلت منظور  
ہو گئی جو قاعدہ عدل پر مبنی ہے تو خداوند عالم نے شیطان کے اس قول کی تکذیب نہیں کی۔  
اور کیسے کی جاتی۔ اگر کی جاتی تو کھنم کھلا جبر ہوتا۔ جو خلاف حکمت تھا۔ ہاں خدا نے ایک جواب دیا  
جو ایک حکیم کی بارگاہ سے ملنا چاہئے تھا۔ قال اخرج منها منان و ما مدحوہا۔ ارشاد ہوا کہ کل  
جنت سے نکل۔ ملعون و مردود ہو کر نکل لمن تبعك منهم لا ملأ من جہنم منکم اجمعین۔ کچھ  
پر و انہیں۔ ان میں سے جو بھی تیرا اتباع کرے گا وہ تیرے ہی گروہ میں داخل ہوا اور پھر یقیناً میں  
تم سب سے جہنم سے بھر دوں گا۔

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے ان فاقدان شکر کی نسبت خلیٰ تعذر و کثرت ہوگی  
گروہ شیطان کے ساتھ جہنم کی تہدید کا اعلان فرمایا ہے۔ نہ یہ کہ اس امر کی تکذیب کی ہو کہ یہ جماعت  
کثیر تبعین شیطان میں سے نہ ہوگی۔ فافہم ولا تغفل یہیں سے راز کھل جاتا ہے۔ ان قلیلہ من  
عباد علی الشکو کا بیشک میرے شکر گزار بندے قلیل ہیں اب آئے دوسرے مطلب کی طرف  
واضح ہو کہ مکملین متقدمین مشیہ نے اثبات امامت میں اکثر دلائل نظریہ سے کام لیا جو  
یہ دلائل عند العقل و دقتہم کے ہوتے ہیں۔

(۱) دلائل النفس (۲) دلائل آفاقہ یا یوں کہو کہ (۱) دلائل داخلی (۲) دلائل خارجی۔ دلائل داخلی  
وہ ہیں جو خود نفس انسان میں موجود ہیں اور دلائل خارجیہ وہ ہیں جو نفس انسان سے باہر ہیں  
اور آفاق عالم میں موجود ہیں۔ یہ ایک ایسا حصر عقلی ہے جو کسی حالت میں شکست نہیں ہو سکتا۔  
اسی حصر عقلی کو قرآن مجید اپنے معجزانہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ وفي الذین ایات للموقنین  
وفي النفسہم افلاہ تبصرون۔ اہل یقین کے لئے زمینوں میں نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے  
نفسوس میں موجود ہیں کیا تم ان پر نظر نہیں ڈالتے۔ افسوس فی الحقیقت، یہ طریقہ استدلال  
بھی ملت ابراہیمی ہے ومن یرغب عن ملت ابراہیم الا من سفہ نفسہ۔ ملت ابراہیمی کی



کون شخص اعراض کر سکتا ہے مگر وہی جو اپنے نفس کو بے وقوف بنائے۔

ہشام بن الحکم علیہ الرحمہ جو قدماے متکلمین شیعہ سے تھے انھوں نے عمر بن لبید عالم بصرہ کے سامنے دلائل انفسیہ سے کام لیا تھا جس پر عالم مذکور بیہوش ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ مناظرہ کتب شیعہ میں موجود ہے اور مشہور جس کے درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

پس اس ملت ابراہیمی کے موافق آپ آفاق ارضیہ پر نظر دوڑائے۔ جس سے معلوم ہو کہ مجموعہ کائنات کس طرح وجود امام پر گواہی دے رہا ہے گو اس کے متعلق اشارات ہو چکی ہیں۔ مگر یہاں تفصیل سے ملاحظہ کیجئے۔

اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اشیائے عالم میں شان ارتقا یقیناً موجود ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر حکمائے اسلام بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور حکمائے فرنگ کے فلسفہ کی توجان بھی مسئلہ ہے۔ ہم میں ان میں یہ فرق ہے کہ ہم اس ارتقا کی نگاہ میں ایک قادر مطلق اور حکیم برحق کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں اور حکمائے جدید کا گمان ہے کہ یہ تماشہ خود بخود ہو رہا ہے اس اختلاف سے ہکو یہاں بحث نہیں ہے۔ اس کے متعلق بحث دوسرے مضمون میں کی گئی ہے۔

اب دیکھو یہ ارتقا کیا ہے؟ پہلے محسوسات کا ڈال لو اور اس کے لئے تمہیں موجودات میں اول جمادات کو انتخاب کر لینا چاہئے۔ جمادات کی حالت کو غور کرو دیکھو موجودات جسمادیہ میں لوہا، تانبہ، قلعی، سیسہ، چاندی، سونا کیا ان چیزوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ کیا یہ ترکیب عناصر کی ارتقائی حالت نہیں ہے۔ ضرور ہے۔ یہ خیال معقول نہیں ہے کہ بجائے خود یہ سب عنصر ہیں اور دلیل اس پر یہ قائم کی جائے کہ ان کا تجزیہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ہمارا قصور علم ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہو نہیں سکتا۔ خیر یہ ایک دوسری بحث ہے۔ ہمیں اس سے یہاں تعلق نہیں۔ ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ ان چیزوں میں حالت ارتقائی موجود ہے اور سونا یا کندن ترکیب عناصر کی ارتقائی حالت کا نام ہے۔

جو اپنے انوار میں ایک صفت کمال لئے ہوئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں میں ایک کامل کا وجود موجود ہے۔ اب ایک ہاتھ میں کالے پتھر کا ٹکڑا اٹھاؤ اور ایک ہاتھ میں الماس کی ریزہ لو۔ کس قدر فرق بین ہے۔ یہ نہیں ہو مگر ارتقا۔ یہ میرا کیا ہے۔ فی الحقیقہ عالم اعجاز میں ایک وجود کامل ہے۔



اسی طرح عالم جمادات کی جس نوع کو تم اٹھاؤ گے اس میں ایک وجود کامل یقیناً تم کو نظر آئے گا۔ یہ ایک نہ ٹلنے والی بات ہے۔ اور ایک کامل ضرور ہر نوع میں موجود ہے۔ اسی تلاش و تفتیش کو عالم نباتات و عالم حیوانات میں جاری رکھو۔ ان عالموں میں کوئی نوع تم کو ایسی نہ ملے گی جس میں ایک فرد کامل کا وجود نہ ہو۔ خوب دیکھو۔ اس مسئلہ پر خوب غور کرو۔ حکیم مطلق نے ہر عالم میں اور ہر نوع میں ایک وجود کامل قرار دیا ہے کیا یہ بے فائدہ ہے کیا یہ لغو شے ہے۔ اور اس نوع میں اسی کے لئے شرافت بھی ایسی عطا کی ہے کہ جس سے انسان ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم انسانیت میں کسی فرد کامل کا وجود ہے یا نہیں؟ اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ انسان خلاصہ موجودات ہے۔ پس یہ طبقہ انسانیت یا تو اس قابل ہی نہ تھا کہ اس میں کوئی فرد کامل پایا جاسکے یا اس قابل تھا۔ صورت اول غیر معقول ہے اس لئے کہ عالم انسان اپنے ماتحت کی نسبت یقیناً کامل ہے! اور جو کامل ہوتا ہے۔ اس میں استعداد حصول کمال بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بہ نسبت ناقص کے۔ پس طبقہ انسان بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہو کہ اس میں کامل کا وجود پایا جائے۔

یہ بھی غور کا مقام ہے کہ وہ ارتقا جو مشاہد و محسوس ہے اس کا راز قوت باطنی میں مضمر ہے یعنی جس کی قوت باطنی ترقی یافتہ ہے اس کے کمالات بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ اس زبردست مشاہدے اور بمثال قانون فطرت کو دیکھ کر طبقہ انسانہ میں فرد کامل کے وجود سے انکار کرنا کھلم کھلا سفاہت ہے۔ جب تک کوئی برہان عقلی اس دعوے کے خلاف قائم نہ ہو۔ کیونکہ اس سے ہاتھ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور اس کے خلاف برہان عقلی کیونکر قائم ہو سکتی ہے۔ درآخالیہ کہ عالم انسانیت میں ارتقا و مشاہد و محسوس ہے۔ کیا تفاوت عقول تم کو نظر نہیں آتا۔ افریقہ کے وحشیوں پر نظر ڈالو اور پھر ان انسانوں پر نظر کرو جن کی عقل کے کرشمے ہوائی تار برقیوں اور دیگر صنایع و بدائع کی شکل میں ہم کو نظر آ رہے ہیں یہ ارتقا و انسانی نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ ایسی بدہیات ہیں جن سے کوئی لاعقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پس جب کہ عالم انسانیت



میں بھی ارتقا مسلم ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ارتقائے انسانی کی حد کیا ہوگی۔  
 حد ارتقائے انسانی بہ مذاق حکما۔ اس ارتقار کا بیان حسب مذاق حکمائی یہ ہے کہ  
 کمال انسان دو قوتوں پر منحصر ہے۔ قوت نظری اور قوت عملی اور ہر ایک قوت میں سے بہت  
 سی قوتیں نکلتی ہیں۔ قوائے نظریہ کی راس و رئیس قوت عقلیہ ہے۔ باقی تمام قوائے اور اکیہ  
 اس کے خادم ہیں اور رئیس قوائے عملیہ قوت فاعلی ہے اور باقی تمام قوائے عملیہ اس کے  
 ماتحت ہیں۔ اب قوت عقلیہ کا کمال یہ ہے کہ تمامی معقولات یا اکثر معقولات اس کے لئے  
 بالفعل حاصل ہوں۔ خصوصاً بلا تعلیم غیرے۔ اور دوسرے یہ کہ تمامی قوائے اس طرح  
 اس کے مطیع و منقاد ہوں کہ کسی وقت بھی اس کی مخالفت نہ کر سکیں۔ اسی طرح قوت  
 فاعلی کا کمال بھی دو چیزوں میں منحصر ہے ایک یہ کہ قوت تاثیر اس کی اس مرتبہ میں ہو کہ  
 آلات و ادوات طبیعیہ کی محتاج نہ ہو۔ اور دویم یہ کہ تمام قوائے عملیہ اس کے مطیع اور  
 فرمانبردار ہوں۔

قال الشيخ في الشفا ان النفس الناطقة كما لها الخاص بها ان يصير عالماً  
 عقلياً ص تسمياً صور الكل والنظام المعقول في الكل والغير الفاضل في الكل  
 ثم قال و افضل الناس من استكملت نفسه عقلاً بالفعل ومحصولاً للاخلاق  
 التي تكون فضائل عملية و افضل هو المستعد لمرتبة النبوة وهو الذي في  
 قواه النفسانية خصائل ثلث ذكرناها ثم قال ورؤس هذه الفضائل عفة  
 وحكمة وشجاعة ومجموعها العدالة وهي خارجة عن الفضائل النظرية ومن  
 اجتمعت له معها الحكمة النظرية فقد سعد ومن فاز مع ذلك بالخواص النبوية  
 كاد ان يصير رباً انسانياً فكاد ان تحل عبادته بعد الله وان يفوض اليه امور  
 عباد الله وهو سلطان العالم الارضى وخليفة الله

راس و رئیس حکمائے اسلام شیخ بوعلی جو فی الحقیقتہ جامع اقوال حکما ہے۔ کتاب شفا میں  
 بیان کرتا ہے کہ نفس ناطقہ انسانیہ کا کمال خاص یہ ہے کہ وہ عالم معقولات ہو جائے۔ کل  
 معقولات کی تصویریں اس میں نقش ہو جائیں اور تمامی نظام معقولات اور خیر فائض فی کل



کا جامع ہو۔ پھر کہتا ہے کہ افضل الناس وہ ہے کہ جس کا نفس اس طرح کامل ہو کہ عاقل بالفعل ہو جائے (عقل فعال سے اسے ارتباط کلی حاصل ہو جائے) اور قوت عملیہ کے جتنے فضائل اخلاق ہیں وہ سب اسے حاصل ہوں۔ اور ان میں بھی افضل وہ ہوتا ہے جس میں مرتبہ نبوت کی استعداد ہو اور یہی وہ شخص ہے جس کے قوائے نفسانیہ کے لئے تین خصلتیں حاصل ہوتی ہیں جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

عبارت شیخ میں جن تین خصلتوں کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہیں ہی ان لیسع کلام اللہ ویرای ملائکۃ اللہ و یعلم جمیع المعلومات او اکثرھا من عند اللہ وان یطیع مادۃ الکائنات باذن اللہ۔ وہ کلام اللہ کو سنے ملائکۃ الہی کو دیکھے جمیع معلومات یا اکثر معلومات اسے من اللہ حاصل ہوں اور مادۃ کائنات باذن اللہ اس کا مطیع ہو۔ رجوع بترجمہ عبارت اول۔

پھر کہتا ہے کہ ان فضائل کی راس و رئیس تین چیزیں ہیں۔ عفت، حکمت، شجاعت اور ان سب مجموعہ ہے عدالت اور یہ چیزیں فضائل قوت نظریہ سے خارج ہیں (اور قوت عملیہ کے فضائل میں داخل ہیں) اور ان فضائل کے ساتھ جس کے واسطے حکمت نظریہ بھی جمع ہو جائے تو بیشک وہ سعادت پر پہنچ گیا۔ اور جو شخص اس کے ساتھ ساتھ خواص نبوتی پر بھی فائز ہو جائے تو قریب ہے کہ وہ رب انسانی ہو۔ مربی کائنات ہو۔ خدا کے بعد اس کی عبادت حلال ہو جائے اور بندگان خدا کے امور اس کو سونپ دئے جائیں۔ بیشک وہی سلطان عالم ارض ہے اور وہی عالم ارضی میں خلیفۃ اللہ ہے۔

حدیث ارتقاۃ النسانی عند المتکلمین قال فخر الدین مرازی فی کتابہ المسمی بمطالب عالیہ ولا شک ان اشرف اصناف الائنسان واقربہم الی الکمال سکان وسط المعمورة سکان الموضع المسمی بایران شہر ثم ان هذا الصنف من الناس مختلفون ایضاً فی الکمال والنقصان ولا شک انہ یحصل فیہم شخص واحد هو افضل فعلی اھذا قد ثبت انہ لا بد۔ ان یحصل فی کل دور شخص واحد هو افضلہم والکملہم فی القوة النظریة والعملیة ثم ان الصوفیۃ یسمونہ بقطب العالم



ولقد صدقوا فيه فإنه لما كان الجبر والاشرف من سكان هذا العالم هو الإنسان  
الذي حصلت له القوة النظرية التي بها يستفيد الأنوار لقد سبقت من عالم  
الملائكة وحصلت له القوة العملية التي بها يقدر على تدبير هذا العالم الجسماني  
على الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل  
الاشخاص الموجودين في ذلك الدور كان المقصود الاصل من كل هذا العالم  
العنصري وجود ذلك الشخص ولا شك ان المقصود بالذات هو الكامل واما  
الناقص فإنه يكون مقصوداً بالذات هو الكامل واما الناقص فإنه يكون مقصوداً  
بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو القطب لهذا العالم العنصري وما سواه فكا  
التيه وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه بصاحب  
الزمان ويقولون انه غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضاً لانه لما كان خالياً  
عن النقائص التي هي في غير لا كان معصوماً من تلك النقائص وهو ايضاً  
صاحب الزمان لا ناقلاً ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان  
وما سواه فكا له تبعاً له وهو ايضاً غائب عن الخلق لا يعلمون ان ذلك  
الشخص هو افضل هو الدور والكناهم.

علامہ فخر الدین رازی کتاب مطالب عالیہ میں رقمطراز ہیں کہ کوئی شک نہیں کہ اشرف  
اصناف انسان اور اقرب الی الکمال دنیا کے وسط کے باشندے ہیں۔ یعنی ایران شہر  
کے رہنے والے پھر اس صنف میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کوئی کامل ہے کوئی ناقص اور کوئی شک  
نہیں کہ انہیں کا خلاصہ وہ شخص ہوتا ہے۔ جو ان سب سے اکمل و اشرف ہوا کرتا ہے اس  
بنیاد پر ثابت ہوا کہ زمانے کے ہر ایک دور میں ایک ایسا شخص ان میں سے نکلتا ہے جو قوت  
نظریہ و قوت عملیہ میں ان سب سے اکمل ہوتا ہے۔ اسی کو صوفیہ قطب عالم کہتے ہیں۔ اور سچ  
کہتے ہیں اس لئے کہ یہی انسان جسے عالم سنن الیقین قوت نظریہ اسی حاصل ہوتی ہے کہ عالم  
ملائکہ سے اسے انوار قدسیہ کا استفادہ کرتا ہے۔ اور قوت عملیہ اس کی اس پیمانہ پر ہوتی  
ہے کہ اس سے عالم جسمانی کی تدبیر نہایت اکمل و اصلح طریقے سے عمل میں لاتا ہے۔ اور



ایسا انسان سکان عالم سفلی کا جزو اشرف ہے اور یہی وہ اکیلا انسان ہے جو اس کے دور کے اشخاص موجودین میں سب سے کامل ہے۔ تو اب مقصود اصلی اس عالم عنصری کا وہی قرار پائے گا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو کامل ہوتا ہے مقصود اصلی وہی ہوتا ہے اور جو ناقص ہیں وہ مقصود بالعرض ہوا کرتے ہیں پس اس مقام سے ثابت ہوا کہ عالم عنصری کا قطب وہی شخص ہے اور جو اس کے ماسوا ہیں وہ سب اس کے تابعین ہیں۔ شیعہ امامیہ اسکی اہم معصوم کہتے ہیں اور کبھی صاحب الزمان بھی۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ غائب ہے اور وہ ان دونوں وصفوں کے بیان میں سچے بھی ہیں۔ اس لئے کہ جب یہ شخص ان نقائص سے خالی ہے جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں تو یقیناً وہ نقائص سے معصوم ہوگا۔ نیز وہ صاحب الزمان بھی ہے اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اپنے زمانہ میں ہی شخص مقصود بالذات ہوتا ہے اور اس کے ماسوا باقی سب اس کے اتباع میں سے ہیں۔ اسی طرح وہ مخلوق سے غائب بھی ہے کیونکہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ شخص اس زمانے میں ان فصل و اکمل ہے۔

فخر الدین رازی کی یہ تقریر بھی مذاق حکمت کی بنا پر ہے لیکن چونکہ ان کا شمار متکلمین میں سے ہے لہذا اسی طبقہ میں ان کا ذکر کیا گیا۔

مذاق تصوف حکما کے خیالات ناظرین کو معلوم ہو چکے اب ذرا اہل تصوف کے خیالات کی بھی اس بارے میں سیر کر لیجئے۔ ناضل جلیل محمد علی ابن علی التہاوی کشف اصطلاحات الفنون میں رقمطراز ہیں:-

صاحب الزمان وصاحب الوقت والحال هو المتحقق بجمعية البرزخية الاولى المطلم على حقائق الاشياء الخارج عن حكم الزمان وتصرفات ماضية ومستقبله اے الآت الدائم فهو ظرف احواله وصفاته وافعاله فلذلك يتصرف في الزمان بالطي والنشرو في المكان بالبسط والقبض لانه المتحقق بالحقائق والطبائع والحقائق في القليل والكثير والطويل والقصير والعظيمة والصغيرة سواء اذا لواحدة والكثرة والمقادير كلها عوارض ولما يتصرف في الوهم فيها كذلك



فی العقل فصداً واقفہم تصرفہ فیہا بالشہود والكشف الصریح فان المتحقق  
 بالحق المتصرف بالحقائق يفعل ما يفعل في طور واطوار الحس والوهم والعقل  
 ويتسلط على العوارض بالتغيير والتبديل كذا في اصطلاحات الصوفیہ  
 صاحب الزمان - صاحب الوقت اور صاحب الحال وہ شخص جس میں ہر خیت اور لے  
 (عالم عقلی) کی جامعیت متحقق ہے - ایسا شخص حقائق اشیا پر مطلع ہوتا ہے - یہ حکم زمانہ  
 سے خارج ہوتا ہے اور زمانہ کے ماضی و مستقبل تا قیامت اس میں تصرف نہیں کر سکتے - پس  
 زمانہ اس کے حالات و صفات و افعال کے لئے بمنزلہ ظرف ہے - اسی لئے وہ زمانہ میں تصرف  
 کرتا ہے - جب چاہے اسے لپیٹ دے - اور جب چاہے اسے پھیلا دے - اسی طرح سے مکان  
 میں بھی قبض و بسط کے ساتھ اس کا تصرف ہے - اس تصرف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام  
 حقائق و طبائع اس کے وجود میں متحقق ہوتی ہیں - اور حقائق خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر طویل  
 ہوں یا قصیر - عظیم ہوں یا صغیر سب برابر ہیں - اس لئے کہ وحدت و کثرت اور اندازہ و غیرہ  
 یہ سب کے سب عوارضات ہیں اور جس طرح وہ حقائق کے مدارج و ہمیہ میں تصرف کرتا ہے  
 اسی طرح مدارج عقلیہ میں بھی پس تو اس کی تصدیق کر اور مشاہدہ و کشف صریح کے ساتھ سمجھ  
 کہ وہ کیونکہ حقائق میں تصرف کرتا ہے - پس وہ وجود جو متحقق بالحق اور متصرف علی الحقائق ہو  
 اس کے جتنے افعال ہوتے ہیں وہ اطور احس و وہم و عقل سے بہت بالا ہوا کرتے ہیں اور عوارضات  
 پر اس کا تسلط تغیر و تبدیل کے ساتھ ہوتا ہے وہ عوارضات کو متغیر اور تبدیل کرتا رہتا ہے -  
 اگرچہ یہ عبارت تشریح طلب ہے - لیکن اس مقام پر یہ شرح ہمارے مطلب سے خارج  
 ہوگی ہمیں صرف اتنا دکھانا ہے کہ حضرات صوفیہ نے ایک ایسے انسان کا وجود تسلیم کیا ہے جو  
 صاحب الزمان ہو اور حقائق اشیا پر مطلع ہو نیز زمان و زمانیات پر اس کا تصرف ہو - اور  
 زمانہ کا دست تصرف اس پر دراز نہ ہو سکے - گویا ان کے نزدیک یہ ایک ایسا انسان ہے جو  
 انسانیت کی حد آخری پر واقع ہے -

مشاہدہ فطرت - انسان کی حد ارتقا معلوم کرنے کے لئے ہم پھر مشاہدہ فطرت کی طرف  
 رجوع کرتے ہیں - اس مشاہدے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادی کے وہ طبقات جو



ہمارے زیر نظر ہیں۔ ان میں شان ارتقا یہ ہے کہ طبقہ اعلیٰ کی حد آخری طبقہ اعلیٰ کی حد اول سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی طبقہ اعلیٰ کے کمالات کا خاتمہ اس امر پر ہوتا ہے کہ اس میں اپنی شان بھی باقی ہو۔ اور پھر طبقہ اعلیٰ کے آثار بھی اس میں موجود ہوں۔ مثلاً عالم جمادات میں مرجان۔ اس میں جمادیت بھی ہے اور اپنے سے اعلیٰ طبقہ یعنی نباتات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یعنی اس میں قوت نمو بھی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح نباتات میں ایسے پودے ہیں جو عالم نباتات میں رہ کر آثار حیوانیت لئے ہوئے ہیں۔ بعض حساس ہیں مثلاً چھوٹی موٹی۔ بعض شکاری ہیں جیسے کہ بعض اقسام کے پھول۔ بعض نرمادہ کے ٹے بغیر پھل نہیں دیتے۔ یاد دیتے ہیں تو ناقص اور بہت کم جیسے کہ درخت خرما۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے طبقہ نباتات میں اپنے سے بالا طبقہ حیوانات کا اثر لے رکھا ہے۔ اسی طرح حیوان کو دیکھو۔ گھوڑے اور بندر کے خصائل پر نظر ڈالو۔ جس سے معلوم ہو گا کہ ایسے بھی حیوان ہیں جنہوں نے عالم حیوانیت میں رہ کر طبقہ انسانیت کا اثر لے رکھا ہے۔ ایسی چیزیں دو جنسوں کے درمیان برزخ کہلاتی ہیں اور برزخ اسی کو کہتے ہیں جو دو جہتیں ہو۔ جس کا ایک سرا ادھر سے متصل ہو۔ دوسرا ادھر سے۔

اس قانون محکم کی بنا پر دیکھو کہ ارتقائے انسانی کی شان یہ ہوگی کہ اس کی ایک جہت طبقہ انسانیت سے ملی ہوئی ہوگی اور دوسری طبقہ اعلیٰ سے اور ایسا انسان ان دونوں عالموں کے درمیان برزخ کبریٰ کہلائے گا۔ انسان کے لئے ہم نے لفظ برزخ کبر لے اس لئے استعمال کیا کہ محسوسات میں سب سے افضل و اکمل انسان ہے۔ لہذا اس کی برزخیت بھی مکمل ہوگی اس لئے اسے برزخ کبر لے کہنا بالکل صحیح ہے۔

جب عقل سلیم نے مشاہدہ فطرت کی بنا پر یہاں تک پہنچا دیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا باقی رہیگا کہ انسان سے بالا کونسا طبقہ ہے کہ جس کی حد اول سے انسانیت کی حد آخری وابستہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ محسوسات جو اس ظاہری میں اب کوئی طبقہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ عقل بھی اس مقام پر عاجز آجائے۔ اور ہم عقل کی آنکھوں سے کسی عالم اعلیٰ کا معائنہ نہ کر سکیں۔



اب یہاں سے ہم اس مضمون کا مخاطب اہل مذہب اور خصوصاً اہل اسلام کو قرار دیکر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک اب وہی باتیں ہیں یا تو وہ اس طبقہ انسانیت سے اعلیٰ عالم ملائکہ کو قرار دیں گے یا عالم الوہیت کو۔ سوائے اس کے کہ فی تیسرا قول قرار نہیں پائیگا۔

اس مقام پر پہنچ کر عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ طبقہ ملائکہ عالم انسانیت سے افضل نہیں قرار پاسکتا۔ اول یہ کہ انسان قوائے مختلفہ رکھتا ہے۔ ملائکہ صرف ایک قوت کے حامل ہیں۔ حسن تقویم میں انسان کی خلقت ہوئی ہے نہ کہ ملائکہ کی۔ ملائکہ نے انسان کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے ملائکہ کو۔ اگر ملائکہ میں انسان سے بڑھ کر کوئی فضیلت ہوتی تو افضل کو مفضول کے سجدے پر مامور کرنا حکیم کا فعل نہیں ہے۔ علاوہ انہیں ہم جس ارتقاء کی بحث کر رہے ہیں اس کا دائرہ جسم ظاہری پر تو ہے نہیں بلکہ کمالات باطنیہ پر ہے اور کمالات باطنیہ میں سب سے اعلیٰ شے علم ہے جو اس میں بڑا ہوا ہوگا یقیناً اسکی فضیلت مسلم ہوگی۔

هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون وما يتذكر الا اولوالباب  
کیا مساوی ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ اس بات پر غور نہیں کرتے مگر صاحبان عقل۔ یہ ایک اصول عقلی ہے اور اس سے گریز کرنے والا اولوالباب سے خارج اور ناقابل خطاب۔ انسان کے سامنے کل ملائکہ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور انسان نے ان کو تسلیم دی۔ پس عالم اور معلم کی فضیلت مسلم۔

پس وجوہات بالا کے لحاظ سے ہم عالم ملائکہ کو عالم انسانیت سے بالا نہیں سمجھتے۔ متکلمین اسلام کے ایک گروہ نے فضیلت ملائکہ پر زور دیا ہے اور کچھ آیات قرآنی سے بھی تمسک کیا ہے لیکن وہ دلائل عند التحقیق وقیع ثابت نہیں ہوتے۔ پس عالم ملائکہ طبقہ انسانیت سے افضل نہیں ہے تو لاحوالہ دوسری شق کو اختیار کرنا پڑیگا۔ اور کہنا پڑیگا کہ جو تجھ سے آگے بس خدا کی ذات ہو۔

یعنی عالم انسانیت سے افضل صرف عالم الوہیت ہے لا غیر۔ اب اسی قاعدہ نظریہ اوتقار کمیوانفی یعنی ہر طبقہ کے درمیان ایک ایسی شے بطور برزخ موجود ہے جو اپنے طبقہ کے خواص کے علاوہ طبقہ اعلیٰ کے خواص بھی لئے بیوئے ہے۔ پس یہی رنگ یہاں بھی جاری ہوگا۔ یعنی وہ انسان



جو عالم انسانیت اور عالم الوہیت کے درمیان برزخ کبرئے واقع ہوا ہے۔ اس میں خدا و انسانیت  
اثرات الوہیت بھی پائے جائیں گے۔ بلاشبک و شبہ اور اس میں نہ کوئی استیفاء و سبب نہ استیفاء  
اور ہم ہر زمانہ میں اس برزخ کبرئے کا وجود ماننے پر از طرف عقل مامور ہوں گے۔ انہیں برزخ  
کبرئے سے مخاطب ہو کر خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے

وَكذلك جعلناكم امة وسطا لتكولوا شهادا على الناس و يكون الرسول

عليكم شهيدا۔

یعنی تم کو امت و رمیانہ قرار دیا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے اعمال پر نگراں رہو اور رسول تم پر  
نگراں رہے۔ یہ امت وسطہ ہو نہیں سکتے۔ مگر وہی افراد جنہیں برزخ کبرئے کہا جاتا ہے۔  
وہی عالم انسانیت اور عالم الوہیت کے درمیان حد فاصل ہیں اور فیض الہی جو کچھ بندوں پر  
نازل ہوتا ہے وہ انہیں برزخوں کے توسط سے آتا ہے  
صرح البحر بایاتیات بینہما برزخ لا یبغیان۔

دریائے وجوب و امکان اپنی اپنی حدود میں بہ رہتے ہیں۔ ان کے درمیان میں ایک  
برزخ ہے جس کے سبب سے ایک دوسرے کی طرف نہیں بڑھتا۔ اس تقریر سے ارباب  
بصیرت سمجھ گئے ہوں گے کہ حد ارتقا ئے انسانی کیا ہے۔ اور کوئی دلیل اس پر قائم نہیں  
ہو سکتی کہ کوئی زمانہ بھی ایسے انسان کے وجود سے خالی رہے۔ بلکہ عقل یہ کہتی ہے کہ پہلے وجود  
اسی انسان کا کامل ہو جیسے کہ ظاہراً و باطناً ہوا بھی ہے۔ تا سبب شریعت بتاتی ہے کہ پہلے جس انسان  
کی نمود ہوئی اور جس سے انسانی نسل کی نمود ہوئی وہ انسان کامل ہی تھا۔ اور باطنی طور سے اگر دیکھو  
تو بھی پہلے پہل عالم ایجاد کا آفتاب انسان کامل و مکمل و مکمل ہے جس کے گرد تمام نظام شمسیہ گردش  
کر رہے ہیں۔ وہ صرف قطب عالم سفلی نہیں بلکہ قطب عالمین ہے۔ آیہ وافی ہدایہ تبارک  
الذی نزل الفرقان علی العالمین نذیرا۔

پاک ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے عہد پر نازل فرمایا تاکہ وہ عالمین کا نذیر ہو۔ اسی  
کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اسی قطبیت کو خلافت الہیہ سے نامزد فرمائے۔ اسی کی طرف خلیفہ  
نے فرمایا ہے۔



لقد تقصها فذات وهو العلم ان محلى منها محل القطب من الرجا  
فلان شخص نے بتکلف پیر میں خلافت پہننا چاہا جو کسی طرح اس کے جسم پر ٹھیک نہیں اتر سکتا  
حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مجھے اس خلافت سے وہی تعلق ہے جو قطب آسیا کو آسیا سے۔

یفتخدا یعنی السبیل ولا یرقی الی الطیر۔ میں اس مقام بلند پر ہوں کہ سیلاب فیوض  
خداوند عالم مجھ سے مستحضر ہو کر دنیا کو سیراب کر رہا ہے اور میں اس موضع رفیع پر قائم  
ہوں کہ طائر خیال کے بھی مجھ تک آتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ گویا وجود مقدس خلیفۃ اللہ  
وامام العالمین سرورۃ المنتہی ہے کہ جبریل جیسے مقرب فرشتے کی رسائی بھی یہیں تک  
ہے اس سے آگے نہیں۔ اس سے آگے قدم بڑھانے کی وہ جرات ہی نہیں کر سکتا۔ لودنوت  
انملیہ لاحترقت اگر ایک ایچ بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیات عالم الہییت سے جھل جاؤنگا۔

اب تو آپ نے دیکھا کہ نظام کائنات کس خوبی اور حسن کے ساتھ خلیفۃ اللہ اور انسان کامل  
کے وجود کی شہادت دے رہا ہے۔

ارشادات معصوم۔ اس ارتقائے انسانی کے متعلق آپ کو ارشادات معصومین پر بھی  
نظر ڈالنی چاہئے۔ ہم نے اسی مضمون میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں معصوم  
نے روحوں کے اقسام کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان کامل  
ارواح چہارگانہ و نبوت و بدن و قوت و ایمان، کے علاوہ ایک اور روح کا حامل ہے  
ہے جسے روح القدس کہتے ہیں اور ان افراد کاملین میں جو سب سے اکمل ہوتا ہے۔ وہ  
روح اعظم کا حامل ہوتا ہے اور یہ روح وہ روح ہے کہ تمام ارواح جس کے ماتحت  
ہیں۔ بلکہ سب اسی کے پر تو ہیں۔ مزید توضیح یہ ہے کہ نفس ناطقہ کے لئے بھی فی الحقیقت  
مدارج ہیں۔ مکاصوح بہر حکیم الربانی خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لما سئل عن  
النفس راوی ان امر ابیاً سال امیر المومنین علیہ السلام عن النفس فقال له  
عن امی نفس تسال فقال یا مولائی هل النفس النفس عن یدہ فقال نعم نفس  
نامیۃ نباتیۃ ونفس حسیۃ حیوانیۃ ونفس ناطقۃ قدسیۃ ونفس لیمیۃ ملکوتیۃ کلیمۃ  
قال یا مولائی ما النباتیۃ قال قوۃ اصلها الطباع الاربع بدو وایجادھا عند



مسقط النطفة مقرها الكبد مادتها من لطائف الاغذية فعلها النمو والنزادة  
وسبب فراقها اختلاف المتولدات فاذا فارقت عادت الى ما منه بدئات  
عوداً مما نرجه لا عوداً مجاورة فقال يا مولائی وما النفس الحيوانية قال قوة  
فلكية وحرارة غريزية بدو ايجادها عند الولادة الجسمانية لعلها الحياة والحركة  
والظلم والفتن والغلبة والكتساب الاموال والشهوات الدنيوية مقورها القلب  
وسبب فراقها اختلاف المتولدات فاذا فارقت عادت الى ما منه بدئات  
عوداً مما نرجه لا عوداً مجاورة فتتغذم صورتها ويدخل فعلها ووجودها ويضمحل  
تركيبها فقال يا مولائی وما النفس الناطقة القدسية قال قوة لاهوتية بدو  
ايجادها عند الولادة الدنيوية مقرها العنوم الحقيقية الدنيوية موادها التائيدات  
العقلية فعلها المعارف الربانية وسبب فراقها تحلل الالات الجسمانية فاذا  
فارقت عادت الى ما منه بدئات عوداً مجاورة ولا عوداً مما نرجه فقال يا مولائی  
وما النفس الالهوتية الملكية الكلية قال قوة لاهوتية وجوهية بسيطة حية  
بالذات اصلها العقل منه بدئات وعنده دعوت واليه دلت واشارت وعودها  
اليه اذ اكلت وشابهته ومنه بدئات الموجودات واليه يعود بالكمال فهي ذات  
العليا وشجرة طوبى وسدرة المنتهى وحبنة الماوى من عرفها لم يشق وما نهوى  
ومن جهاتها ضل سعيه وغوى فقال السائل يا مولائی وما العقل قال العقل  
جوهر درالكحيط بالاشياء من جميع جهاتها عارف بالشي قبل كونه فهو علة الموجودات  
ونهاية المطالب

ایک اعرابی نے حضرت سے نفس کی بابت سوال کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تو کس نفس کی بابت  
دریافت کرتا ہے۔ اعرابی نے عرض کیا کہ یا مولا کیا بہت سے نفس ہیں فرمایا ہاں نفس نامیہ نباتیہ  
نفس حیوانیہ۔ نفس ناطقہ قدسیہ۔ نفس الہیہ ملکوتیہ کلیہ۔ اعرابی نے عرض کی یا مولا نفس  
نباتیہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ ایک قوت ہے جس کی اصل طبائع اربع حرارت و برودت و رطوبت  
و میوستم ہیں۔ اس کی ایجاد استقرار نطفہ کے وقت ہوتی ہے مقام اس کا جگر ہے۔ مادہ



اس کا غذاؤں کا جو ہر لطیف ہے بخل اس کا ثمر اور زیادتی دہڑہنا اور نشوونما حاصل کرنا ہے اور اس کے فراق کا سبب ان چیزوں کا اختلاف ہے جو اس کے تولد کا سبب ہوتی ہیں۔ اور جب یہ مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل میں جا کر مل جاتا ہے۔ اس سے جدا نہیں رہتا اعرابی نے پوچھا یا مولانا نفس حیوانیہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک قوت فلکی اور حرارت غریزی ہے جس کا مقام قلب ہے۔ اس کی پیدائش ولادت جسمانی کے وقت ہوتی ہے۔ اس کے افعال حیات و حرکت و ظلم و جور و غلبہ و اکتساب اموال و شہوات دنیویہ ہیں۔ اس کے فراق کا سبب بھی اختلاف متولدات ہے اور جب یہ مفارقت کرتا ہے۔ تو اپنی اصل میں جا کر مل جاتا ہے۔ اس کی صورت مٹ جاتی ہے اور افعال اس کے باطل ہو جاتے ہیں۔ اس کا وجود فنا ہو جاتا ہے اور ترکیب منحل ہو جاتی ہے۔

اعرابی نے عرض کیا یا مولانا نفس ناطقہ قدسیہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک قوت لاہوتی ہے جسکی ایجاد ولادت دینی کے وقت ہوتی ہے۔ مقام اس کا علوم حقیقیہ و دینیہ ہیں۔ مواد اس کا تائید و تخلیق ہیں۔ اور فصل اس کا معارف ربانی۔ اس کے فراق کا سبب آلات جسمانیہ کی تحلیل ہے جب یہ مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل کی طرف عود کر جاتا ہے۔ مگر نہ اس طرح کہ اس میں لمجائے بلکہ اسکی مجاورت اختیار کرتا ہے۔

اعرابی نے عرض کیا کہ یا مولانا نفس الانیہ ملکوتیہ کلیہ کیا چیز ہے؟ فرمایا ایک قوت لاہوتی ہے جو ہر بیضا ہے۔ حی بالذات ہے۔ اصل اس کی عقل ہے اسی سے اس کی ابتدا ہے۔ اسکی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کی طرف دلالت اور اشارہ کرتا ہے اور جب یہ کامل اور اس کے مشابہ ہو جاتا ہے تو اسی کی طرف عود کرتا ہے کیونکہ تمام موجودات کی ابتداء عقل سے ہی ہوئی ہے اور اسی کی طرف کمال حاصل کر کے سب چیزیں عود کرتی ہیں۔ پس یہ نفس الانیہ ملکوتیہ کلیہ ذات علیا ہے۔ شجرہ طوبی ہے۔ صدر المنتہی ہے۔ جنتہ الماوی ہے جس نے اسے پہچان لیا وہ شقاوت سے بچ گیا اور سرنگوں نہ ہوا۔ اور جو اس سے جاہل رہا۔ اسکی تمام کوششیں باطل ہو گئیں اور وہ گمراہ ہو گیا۔ سائل نے پھر عرض کیا کہ عقل کیا شے ہے؟ فرمایا عقل ایک جوہر ہے جو درک کامل ہے تمام اشیاء پر بہرمت سے محیط ہے۔ یہ جوہر



ہر شے کا قبل اس کی ایجاد و تکوین کے عالم ہے۔ پس وہی علت موجودات اور انتہائے مطالب ہے۔

لطیفہ قبل اسکے کہ اس حدیث مقدس سے ہم اپنے مطلب کی طرف چلیں۔ اس لطیفہ پر نظر ڈال لیجئے۔ وہ یہ کہ ثقرات آخری میں حضرت نے نفس الہیہ کلیہ کی اصل عقل کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ عقل ہے جس کا مقام۔ مقام لاہوت سے بالاس ہے۔ اور نفس کلیہ الہیہ اسی سے شروع ہوتا ہے۔ اسی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کی طرف دلالت اور اشارہ کرتا ہے اور پھر بحالت کمال و مشابہت اسی کی طرف عود کر جاتا ہے۔ اب اس عقل کی طرف بھی توجہ کرو کہ یہ کون ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں اول ما خلق اللہ العقل وانا العقل سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا۔ اور میں عقل ہوں اس کی تائید اس صفت سے بھی ہوتی ہے جو حدیث زیر بحث میں حضرت نے فرمائی ہے یعنی علت غائی موجودات و نہایت المطالب اور دنیا کے اسلام میں یہ مسلم ہے کہ علت غائی موجودات وجود بخیری ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب شخص عقل کے بعد یہ بھی غور کرو کہ نفس الہیہ کلیہ کون ہے۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے ”منہ بدت“۔ اسی عقل سے اسکی ابتدا ہوئی۔ اس صفت کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں جو جابر سے مروی ہے اپنے نور کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”نفق منہ نور علی“ پھر اس نور میں سے نور علی کو نکال لیا پہلی صفت معلوم ہو گئی۔ دوسری صفت اس نفس الہیہ کی یہ ہے۔ عنہ دعوت والیہ دلالت و اشارت۔ یہ نفس اسی کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسی کی طرف دلالت و اشارہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مستقلہ عقل کی ہے اور نفس اس کی طرف دعوت دینے والا اور بلائے والا تیسری صفت یہ ہے کہ نفس الہیہ کلیہ جب اس کی طرف عود کرتا ہے تو پورے کمال و مشابہت تامہ کے ساتھ عود کرتا ہے۔ اس سے نفس و عقل کی مشابہت تامہ معلوم ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ محمد و علیؑ میں مشابہت تامہ ہے اس مقام سے مسافات بین محمد و علیؑ کا راز کھل جاتا ہے اور نبی کے فضائل خاصہ بھی بحال خود رہتے ہیں۔ پس اب عقل کون ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نفس کلیہ الہیہ کون ہے؟ علی ابن ابی طالب صلوٰۃ علیہ کما جاء فی النبیاء



السلام علی نفس اللہ القاطنۃ باللسان سلام ہو اس نفس الہیہ پر جو سنن کیساتھ قائم ہے۔ یہ سنن کیا چیز ہیں یقیناً شریعت محمدی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی نفس کلیہ الہیہ کو قرآن میں نفس۔ سول بھی کہا گیا ہے۔ جو یقیناً صحیح ہے۔ قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم والفسنا والفسکم الآیہ

رجوع بہ مطلب۔ غرض اس حدیث مقدس میں جو نفس ناطقہ کے مراتب بتائے گئے ہیں ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ مدارج کمال انسانی یہی ہیں اور وہ وجود بھی جسے عقل کہا گیا ہے۔ عالم انسانیت سے باہر نہیں ہے اور آخری حد انسانیت یہی ہے حکمائے مذاق پر آپ اسے عقل اول کہہ لیجئے۔ لیکن کچھ ہی کہئے ہیں یہ یقیناً وجود محمدی جیسا کہ صاحبان حکمت کے اشارے بھی اس کی طرف موجود ہیں اور اگر نہ بھی ہوتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا حکیم ربانی سے بہتر کس کا کلام ہو سکتا ہے۔

یہ ہے حد ارتقائے انسانی اور اس مرتبہ پر جو انسان فائز ہوتا ہے وہی مقصود عالم انسانیت بلکہ مقصود کائنات ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس انسان کو فوق سوائے عالم الوہیت اور کوئی عالم نہیں اور اس عالم کے آثار بقاعدہ مشاہدہ فطرت اس میں پائے جانے ضرور ہیں لہذا اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جنہیں تمام عقلیں سن سکر گھبرا اٹھتی ہیں اور فوراً انکار پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون میں ایک خطبہ امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم نے درج کیا ہے۔ جو اسی قسم کا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ بعض احباب اس پر چوکے ہوئے تھے۔ حالانکہ اگر ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اس تمام مشاہدے پر نظر کر کے ہم کہتے ہیں کہ عقل تجویز کرتی ہے کہ ایسا وجود ہر ایک دور میں اور ہر زمانہ میں موجود رہنا چاہئے۔ بلکہ عقل اس کے موجود ہونے کے وجوب کا حکم لگاتی ہے۔ اب رہی اس کی غیبت۔ اس کے معنی وہی ہیں جس کے متعلق علامہ فخر الدین رازی نے اشارہ بھی کر دیا ہے وہ یہ کہ ہم اسے نہیں پہچانتے۔ حالانکہ وہ یقیناً موجود ہے۔ کیونکہ غیبت کے معنی یقیناً عدم کے نہیں ہیں۔ پس یہ نہ پہچاننا ہمارے نفس کی خرابی ہے



ہماری آنکھوں کا تصور ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے پہچاننے کی کوشش کریں۔ اور چونکہ حضور خدمت کی تکلیف ہم عقلاً ساقط ہے۔ اس لئے ہمارا فرض یہی ہے کہ اس کے وجود پر اس کے صفات پر ایمان لائیں تاکہ دنیا سے با ایمان اٹھیں۔ اور اؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض کے زمرہ میں شامل نہ ہوں۔

ایک اور برہان فطری۔ گو ہم اس مضمون کی طرف جسے لکھنا چاہتے ہیں مختصراً اشارہ کر آئے ہیں۔ لیکن ذرا تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیجئے کہ دنیا میں وہ انسان جس نے کچھ بھی عقل سے حصہ پایا ہے تسلیم کرے گا کہ انسان فطرۃً مشتاق کمال ہے۔ اس اشتیاق کا حال یوں کہلیگا کہ آپ کسی سے دریافت کریں کہ تم کمال بننا چاہتے ہو یا ناقص۔ وہ یقیناً شوق اول کو اختیار کرے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنی اختیار کردہ شکل پر عمل نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی انسان سے کہا جائے گا کہ تم ناقص ہو تو اس کے دل پر ایک صدمہ سا گذرے گا۔ یہ کیوں؟ یہ اسلئے کہ فطرت بالطبع کمال کو اچھا سمجھتی ہے۔ اور شائق کمال ہے۔

اب اس مقام پر دو سوال پیدا ہوں گے اول یہ کہ خواہش حسن ہے یا قبیح۔ قبیح کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی نہیں کہہ سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ حسن ہے اور جب یہ حسن ہے تو یقیناً اس کا حاصل کرنا بھی حسن ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ خداوند عالم جو خالق انسان ہے اس نے جو یہ خواہش فطرت انسانی میں ودیعت کی آیا کوئی بند و بست ایسا بھی کیا کہ انسان اسے حاصل کر کے فائز المرام ہو۔ ہم چونکہ اس خواہش کو حسن مان چکے ہیں اور یہ ماننا زبردستی کا ماننا نہیں۔ بلکہ عقل بالبدایت اس کے حسن کا حکم لگا رہی ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ خداوند عالم نے اس کے حصول کا ضرور سامان مہیا کیا ہے۔ جس کا دوسرا نام لطف ہے۔ اور یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ حصول جنات یقیناً مطلوب ذات واجب الوجود ہے۔ پس جو شے کہ اسے مطلوب ہے ضرور ہے کہ اس کے لئے سامان بھی پیدا کرے والا خلاف حکمت ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اسے اپنی معرفت کی تکلیف دی تو ضرور ہے کہ حصول معرفت کے سامان اس کی طرف مہیا کئے جائیں والا تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے۔



اب ہم یہ کہتے ہیں کہ واقعی خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اپنی معرفت کی تکلیف دی۔ یہی معرفت کمال ہے۔ اور یہ کوئی اعتقادی بات نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت معرفت الہی ہی بین کمال ہے۔ انسان جس قدر اس سے دور رہتا ہے۔ اسی قدر نقصان اٹھاتا ہے اور اسکی انسانیت ناقص ہوتی جاتی ہے۔ پس یہ معرفت یا تو ہر ایک انسان بطور خود حاصل کرے گا یا دوسرے کے ذریعہ سے۔ پہلی صورت بالبداہتہ باطل ہے۔ اس لئے دوسری صورت ہی لازم ہوگی۔ اور اس صورت میں وہ ذریعہ جس سے یہ معرفت حاصل کر رہا ہے یا تو کسی ذریعہ کا محتاج ہے یا نہیں۔ اگر وہ محتاج ہے تو پھر اس کو بھی ایک ذریعہ کی ضرورت ہے۔ اب اس ضرورت کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسے وجود تک پہنچا کر کہ جو اس میدان میں ابتائے جنس کا محتاج نہ ہو۔ بیشک اسی کو ہم فرد کامل اور انسان کامل سے تعبیر کریں گے یہی ایک سامان ہے حصول معرفت کا جو منجانب اللہ مہیا کیا جاتا ہے اور چونکہ معرفت الہی ہر زمانہ میں ہر انسان پر واجب ہے۔ لہذا ایسے وجود مقدس کا وجود بھی ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

واضح ہو کہ خداوند عالم نے اپنی مخلوق پر جبر و انہیں رکھا اس لئے ایسے وجود کے خلق کر دینے سے اس کی حکمت کی جہتیں پوری ہوئیں اور پس۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسکی معرفت حاصل کریں اور اس کی معرفت سے خدا کی معرفت ہمیں ملے وجہ الکمال حاصل ہو چنانچہ زمانہ آخری میں اسے جزو نور محمدی کو اپنی معرفت کا ذریعہ قرار دیا۔ بلکہ اگر غور سے دیکھو تو مدعیان معرفت کا امتحان جیسا اس زمانہ میں لیا گیا ہے پہلے نہیں لیا گیا۔

خیال کرو کہ دعویٰ ہے معرفت خدا کا۔ مدعی اس امر کے ہیں کہ خدا کو عالم مطلق و قادر مطلق جانتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں کہ انسان اتنی طویل مدت تک زندہ کیونکر رہ سکتا ہے۔ یہاں سے کہل گیا کہ فی الحقیقت انکا دعویٰ معرفت الہی جھوٹا تھا۔ یہ ہرگز خدا کو قادر مختار نہیں مانتے۔ خدا کا قائل ہو کر کوئی شخص ایسی نہایت نہیں کہہ سکتا۔ ہاں دہریت کی بارگاہ سے ضرور ایسے سوال اٹھتے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ اب مسلمانوں کے خون میں بھی دہریت کے ذرے مل چکے ہیں۔



یہ کہنا کہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا اسے ہم بھی مان سکتے ہیں۔ لیکن ہم تو پھر یہ سوال کرینگے کہ کیا انسان قانون قدرت پر بالکلیہ حاوی ہو چکا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ فلاں امر قانون قدرت کے خلاف ہے سراسر ناواقفیت ہے۔

خیر ان لوگوں کو چھوڑئے۔ ان کے حال پر چھوڑئے۔ ہمیں ان سے کیا اپنے اپنے اعمال اپنی اپنی قبر۔ ہمیں اس قیل و قال سے الگ ہو کر یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خلاصہ کائنات وہی انسان کامل یا خلیفۃ اللہ ہے۔ مقصود بالذات وہی ہے تو اب یہی ہے کہ جب تک وہ اس عالم میں موجود ہے یہ عالم بھی بحال خود قائم ہے اور جب اسکا وجود اس عالم سے رخصت ہوگا تو یہ عالم بھی اسی کے ساتھ ہی سمٹ جائے گا۔ اور یوم نظری السماء کطی السجل للکتب کا نقشہ ظاہر ہوگا۔ یعنی ہم اس دن آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھتے ہوئے کاغذوں کے طواریک لپیٹ دیتے ہیں۔

كما قال بعض المحققين لما كان المقصود من ايجاد العالم وابقائه الانسان الكامل والامام العادل الذي هو خليفة الله في ارضه كما ان المطلوب من تسوية الجسد النفس الناطقة وجب ان تخرب الدار الدنيا بانتقال هذا الانسان عنها كما ان الجسد يبلى ويفنى بمفارقة النفس الناطقة عنه فانه سبحانه لا يتجلى على العوالم الدنيوية الا بواسطة وكالاته فينقل الدنيا عند انتقاله ويخرج ما كان فيها من المعاني والكمالات الى الآخرة فعند ذلك الشقت السماء وكورت الشمس وانكدرت النجوم وانتشرت وسيرت الجبال وزلزلت الارض وجاءت القيامة ووقعت الواقعة قال امير المؤمنين عليه السلام لا تخلوا الارض من قائم لله الحجة اما ظاهراً مشهوراً واما خائفاً مغوراً قال السجاد لو لا ما في الارض من اسماخت باهلها وقال الباقر عليه السلام لو ان الامام رفع من الارض ساعة لماجت باهلها كما يوجب البحر وقال الصادق عليه السلام لو بقيت الارض بغير امام ساعة لساخت وقال الرضا عليه السلام لو خلت الارض طرفة عين من حجة لساخت باهلها



(کلمہ فی الکافی)

اس عالم کی ایجاد اور پھر اس کے باقی رکھنے سے جب مقصود بالذات انسان کامل۔ امام عادل ہے۔ اور خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے جیسا کہ جسم کے تسویہ سے مقصود نفس ناطقہ ہے تو اب واجب ہے کہ جب یہ انسان کامل اس دنیا سے انتقال کرے تو دنیا خراب ہو جائے جیسا کہ نفس ناطقہ کے مفارقت کر جانے بدن کہن ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ تجلیات خداوند عالم اسی انسان کامل کے ذریعہ سے عالم دنیوی تک پہنچتی ہیں۔ پس اس ذریعہ کے منقطع ہوتے ہی وہ امداد منقطع ہو جاتی ہے جو اس عالم کی بقا کا سبب ہے اور اس کے کمالات اس سے وابستہ ہیں۔ پس اس کے انتقال کے ساتھ ہی دنیا بھی انتقال کر جائی گی۔ اور جو کچھ دنیا میں معانی و کمالات میں وہ سب آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس وقت آسمان شوق ہو گا۔ سورج کی روشنی جاتی رہیگی۔ ستارے ماند ہو کر بجھ جائیں گے۔ پہاڑ متحرک ہوں گے۔ زمین متزلزل ہوگی۔ قیامت آجائے گی۔ اور واقع ہوئے والی واقع ہو جائے گی۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ زمین حجت قائمہ خداوندی سے خالی نہیں رہتی۔ یہ حجت یا تو ظاہر و مشہور ہوگی یا خائف و مستور حضرت سجاد و فرماتے ہیں کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص زمین میں نہ ہو تو زمین و اہل زمین برباد ہو جائیں حضرت باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ایک ساعت کے لئے بھی امام زمین سے اٹھ جائے تو زمین اہل زمین سمیت اس طرح تلاطم میں آئے جیسے کہ سمندر موجیں مارتا ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر زمین ایک ساعت بھی امام کے بغیر رہے تو فنا ہو جائی حضرت رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر زمین ایک لمحہ کے لئے بھی حجت خدا سے خالی ہو تو اہل زمین سمیت فنا ہو جائے۔ یہ تمام احادیث اصول کافی میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان کامل دنیا میں رہتا ہے عالم محفوظ ہوتا ہے۔ اور خزانہ الہی مضبوط۔ اور جیسا عالم سے دور مہر سے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے دنیا سے مفارقت کر کے آخرت کی اقامت اختیار کرتا ہے اور افراد انسانی میں کوئی اس قابل نہیں ہوتا جو کمالات الہیہ سے متصف ہو کر اس کا قائم مقام ہو اور حق تعالیٰ اسے اپنے خزانوں کا خزینہ دار قرار دے



ایسی حالت میں جو کچھ کمالات و معانی خزان دنیا میں ہوتے ہیں اٹھائے جاتے ہیں اور یہ کمالات خزان آخرت سے ملحق کر دئے جاتے ہیں۔ اب یہ خزانہ داری کی خدمت آخرت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ پس تجلیات الہیہ اہل آخرت کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ مگر انسان کامل کے توسط اور وسیلہ سے اور جس طرح دنیا میں اس کے لئے یہ منصب قائم تھا۔ اسی طرح آخرت میں بھی رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم صرف اسی دنیا میں امام کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ آخرت میں یہاں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ مقام آخرت جو فی الحقیقت انسان کے لئے ایک مقام ترقی ہے وہاں کے کمالات کا ہرگز اس دنیا کے کمالات پر اندازہ نہیں کیا جاسکتا پس زیادتی کمالات کے ساتھ ہماری احتیاج بھی زیادتی اختیار کرے گی ایسے امام کی معرفت عقلاً واجب ہے کیونکہ دونوں جہان کے فیوض اسکی ذات سے وابستہ ہیں پس وہ شخص جس نے دنیا میں امام کی معرفت حاصل کرنی۔ وہ یقیناً آخرت میں فیوض الہی کے حصول کے واسطے جو بتوسط امام پیچھے سے مستعد ہو گیا اسی مقام سے منہ شفاعت کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

اور جس شخص نے اس دنیا میں رہ کر ہوا و ہوس میں زندگی بسر کی امام برحق کو نہ پہچانا ہر ایک ناعق و منادی ضلالت کو اپنا امام بنایا۔ اس میں استعداد حصول فیوض الہی پیدا نہ ہوئی تو آخرت میں فیوض ربانیہ سے اسکو کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور اسی انقطاع فیوض کی شکل و دوزخ نمودار ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے شفاعت کا کوئی حصہ نہیں۔

اس لئے کہ ہر شخص کا حشر اس کے امام کے ساتھ ہوگا اور جس سے جس کو محبت ہوتی ہے وہی محبوب شے اس کی اصل ہے۔ پس بحکم کل شئے یرجع الی اصلہ۔ ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹے گی۔ ہدایت یافتہ ہدایت کی طرف رجوع کریں گے۔ اور گمراہ گمراہی کی جانب اوجہ یوم ندعوا کل اناس بامامہم کارا از اس روز مشاہدہ میں آجائیکا ذلک یوم الجمع ہی دن جمع کا دن ہے۔

اب میدان قیامت میں حساب خلق امامت مطلقہ کے سپرد ہوگا۔ اور وہی اس دن کے مالک ہوں گے۔ جیسا کہ سابقاً گذرا۔ وہی میزان اعمال میں جیسا کہ سابقاً اشارہ



کیا جا چکا اور وہی صراط مستقیم ہیں۔

تحقیق صراط۔ لکل انسان من ابتداء احد و ثہ الى منتهی عمرہ انتقالات جبلیۃ و حركات طبعیۃ اشنت اذیۃ لا یزال ینتقل من صورۃ الى صورۃ حتی یتصل بالعالم الاصلی و یلمق بالملاء الالہی ان ساعدہ التوفیق و کان من الکاملین اوباصحاب الیمین ان کان من المتوسطین اومحشر مع الشیاطین والحشر اتفی عالم الظلمات ان ولایہ الطبع والشیطان وقارنہ الخدلان وهذا معنی الصراط المستقیم منہ ما اذا سلکۃ اوصلہ الى الجنتہ وهو ما شتمل علیہ الشرع وانک لتهدی الى صراط المستقیم صراط اللہ العزیز الحمید وهو صراط التوحید والمعرفۃ والتوسط بین الاضداد فی الاخلاق والتزام صوالح الاعمال وبالجملة صورۃ الهدی الازی انشأہ المؤمن لنفسہ ما دام فی عالم الطبیعة وهو اذق من الشر واحدۃ من السیف مظلم لا یقتدی الیہ الا من جعل اللہ لہ نوراً یمشی بہ فی الناس یسعی الناس علیہ علی قدر الوارثہم مروی الصدوق فی کتاب معانی الاخبار باسنادہ عن الصادق انه سئل عن الصراط فقال هو الطريق الی معرفۃ اللہ عزوجل وهما صراطان صراط فی الدین وصراط فی الآخرۃ واما الصراط الذی فی الدنیا فهو الامام المفترض الطاعة من عرفہ فی الدنیا واقتدی بمعدۃ صراط الذی هو جسد جہنم فی الآخرۃ ومن لم یعرفہ فی الدنیا نزلت قدمہ عن الصراط فی الآخرۃ وتردے فی نار جہنم وباسنادہ عنہ ایضاً قال الصراط المستقیم امیر المؤمنین علیہ السلام وفی بصائر الدجیات عن الصادق علیہ السلام انه سئل عن قول اللہ عزوجل وان هذا صراط علی مستقیم فاتبعوه قال هو واللہ علی اللہ الصراط والمبین ان

انسان ابتدا سے حدوث سے لے کر انتہائے عمر تک انتقالات جبلیہ میں گرفتار رہتا ہے۔ اس کی حرکات طبعی جو نہایت شدت کے ساتھ اپنا کام کرتی ہیں اسے گردش کہتی ہیں وہ ایک صورت سے دوسری صورت اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہوتا ہے



یہاں تک کہ عالم اصلی سے ملحق ہو جائے۔ اب اگر توفیق الہی شامل حال ہے۔ اور کاملین سے ہے تو ملامت اعلیٰ سے ملحق ہو گا۔ اور اگر متوسطین میں سے ہے تو اصحاب الیمین سے جائیگا اور اگر طبیعت اور شیطانت اس پر غالب ہے اور خذلان الہی نے اسے گھیر لیا ہے تو وہ عالم ظلمات میں شیاطین اور حشرات الارض کے ساتھ محسوس ہو گا۔ یہ ہیں صراط مستقیم کے معنی کہ اگر انسان اس پر چلے گا۔ تو وہ اسے جنت میں پہنچا دیگا اور یہ وہ طریقہ ہے۔ جو شریعت مقدسہ نے مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے حبیب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے تو بیشک صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ صراط اللہ العزیز الحمید ہے۔ یہ صراط توحید و معرفت ہے اور وہ نقطہ توسط ہے جو اخلاق متضادہ کے اعتدال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اعمال صالحہ کے التزام سے جس کی حقیقت نظر آتی ہے۔ بالکل مومن اس عالم مادیات میں رہ کر اپنے لئے جو ہدایت کی شکل پیدا کرتا ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے تلوار سے زیادہ تیز ہے نہایت تاریک ہے کوئی شخص اسکی طرف نہیں جاتا مگر وہی جس کے لئے خداوند عالم نے ایک نور قرار دیدیا ہو۔ جس کے سبب سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہو۔ اور لوگ اپنی اپنی استعداد نورانیہ کے موافق اس صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔ صدوق علیہ الرحمہ نے باسناد بخبر معانی الاخبار میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ سے صراط کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ طریقہ معرفت الہی ہے۔ اور صراط دو ہیں ایک صراط فی الدنیا ہے اور ایک صراط فی الآخرة۔ دنیا میں جو صراط ہے وہ امام مفترض الطاعت ہے جس نے دنیا میں اس کو پہچان لیا اور اس کی ہدایت کی اقتدار کی تو وہ اس صراط پر سے گذر جائے گا۔ جو جہنم پر بلوریل کے بنا ہوا ہے اور جس نے دنیا میں اسے نہ پہچانا تو اسکا قدم آخرت میں صراط پر سے پھسل جائے گا۔ اور وہ جہنم میں گر پڑے گا۔ نیز صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صراط مستقیم علی علیہ السلام ہیں۔ بصائر الدرجات میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے قول خداوند عالم ان هذا صراط علی مستقیم فاتبعوه بیشک علیؑ ہی کا راستہ سیدہ بارستہ ہے پس اس کی متابعت کرو، کی نسبت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ وہ علیؑ ہیں۔ واللہ



مربی صراط و میزان ہیں۔

تحقیق اس مقام پر یہ ہے کہ جتنے حقائق ہیں۔ وہ آخرت میں شکلیں اختیار کر نیوالے ہیں۔ پس ہدایت علوی اس مقام پر شکل صراط اختیار کرے گی۔ اب جو لوگ اس سے دنیا میں مانوس ہو چکے ہیں وہ غلے قدر محبت و انس اس پر سے جلدی یا دیر میں گزریں گے۔ اور جن لوگوں کو یہاں کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ طریقہ علی سے قطعاً علیحدہ ہیں۔ انہیں کبھی اس پر سے گزرنا میسر نہ ہوگا۔ اور نہ وہ کبھی گزر سکیں گے۔ یہی کیفیت میزان کی ہے۔

**الامام هو اهل الاعراف** یہی کیفیت اعراف کی ہے۔

الاعراف انکان استقفا من المعرفة فاکمل من الانبیاء والاولیاء  
 هم العارفون والمعروفون والمعترفون الله للناس فی هذه النشأة وانکان  
 من العرف بجمع المکان العالی المرتفع فاکمل هم الذین من فرط معرفتهم و  
 شدّة بصیرتهم کانهم فی مکان عال مرتفع ینظرون الی سائر الناس  
 فی درجاتهم ودرجاتهم ویمیزون السعداء عن الاشقیاء علی معرفته  
 منهم بهم وهم بعد فی هذه النشأة کما اشار الیه امیر المومنین  
 علیه السلام أقسم رب العرش العظیم ولو شئت اخبرتکم  
 بأبائکم واسلافکم اینکانوا ومن کانوا واین هم الان وما صاروا  
 الیه و فی بصائر الدارجات عن الا صبغین نبأته قال کنت عند  
 امیر المومنین علیه السلام جالساً فجاءه رجل فقال له یا امیر  
 المومنین و علی الاعراف رجال یعرفون کلّاً بسماعهم فقال له علی  
 علیه السلام علی الاعراف نحن نعرف انصارتنا بسماعهم ونحن الاعراف  
 الذی لا یعرف الله الا بسبیل معرفتنا ونحن الاعراف نوقفنا یوم القيمة  
 بین الجنة والنار فلا یدخل الجنة الا من عرفنا وعرفنا لا یدخل النار  
 الا من انکرنا وانکرنا ذلک بان الله تبارک وتعالی لو شاء عرف  
 الناس حتی یعرفوا حدّاً ویا قوه من بابه ولكن جعلنا ابوابه وصراطاً وسبیلہ



وبایہ الذی یوتی امنہ وباسنادہ الصحیح عن الباقر علیہ السلام انه سئل عن  
 هذه الآیة فقال نزلت فی هذه الامة والرجال هم الائمة  
 من آل محمد علیہم السلام قیل فمن الاعراف قال صراط بین  
 الجنة والنار فمن شفع له الائمة منا من المومنین المذنبین  
 فیہ ومن لم یشفعوا له ہوسے وفی س روایة أخرى عنہ علیہ السلام  
 قال نحن اولئک الرجال الائمة منا یعرفون من یدخل النار  
 ومن یدخل الجنة کما تعرفون قبائلکم الرجل منکم یعرف من فیہا  
 من صالح او طالح وما فی س روایة أخرى عنہ علیہ السلام انہم قوم  
 استوت حسناتہم وسیئاتہم فقضت بہم الاعمال وانہم لکما قال اللہ  
 تعالیٰ وفی س روایة أخرى فان ادخلہم اللہ النار فبذوبہم وان  
 ادخلہم الجنة فبرحمۃ

اعراف کا اشتقاق اگر معرفت سے لیا جائے۔ تو وہ کاملین انبیاء و اولیاء ہیں  
 جو عارف ہیں۔ معروف ہیں۔ اور لوگوں کے لئے اس دنیا میں خدا شناسی کا ذریعہ  
 ہیں۔ اور اگر اس کو "عرف" سے لیا جائے جس کے معنی ہیں مکان بلند و مرتفع تو بھی  
 یہ وہی کاملین ہیں۔ اور یہ بزرگوار فرط معرفت و شدت بصیرت کے سبب سی گویا ایک تفع  
 و بلند مکان پر قائم ہیں۔ تمام لوگوں کے درجات و درجات کا نظارہ کرتے ہیں۔ سعیدوں کو اُفقاً  
 سے تیز کرتے ہیں۔ اس معرفت کے سبب سے جو انھیں انکے ساتھ ہے۔ اور یہ معرفت انھیں  
 اسی دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اشارہ فرمایا کہ میں رب عرش  
 عظیم کی قسم کھاتا ہوں اگر میں چاہوں تو تمہیں تمہارے آبا و اجداد کے متعلق خبر دوں گا  
 کہ وہ کہاں تھے۔ کس سبب سے تھے اب وہ کہاں ہیں اور کس حالت میں گرفتار ہیں  
 بصائر الدرجات میں ابوسع بن نباتہ سے مروی ہے کہ میں خدمت امیر المومنینؑ میں حاضر  
 تھا ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ یا امیر المومنینؑ اس قول خداوندیؑ اعراف پر  
 ایسے لوگ ہوں گے جو سب کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے سے کیا مراد ہے فرمایا



وہ ہیں جو اعراف پر ہونگے اور اپنے انصار کو انکی پیشانیوں سے پہچانیں گے۔ اور ہمیں وہ اعراف ہیں کہ خدا نہیں پہچانا گیا مگر ہماری معرفت کے طریقہ سے ہیں۔ وہ اعراف ہیں جو رزقیا مت جنت نار کو درمیان کھڑے ہو گئی۔ پس کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو ہمیں پہچانتا ہو اور ہم اسے پہچانتے ہوں۔ اور دوزخ میں کوئی دخل نہ ہوگا مگر وہی جو ہمارا منکر ہو۔ اور ہم اس کے منکر ہوں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اگر خداوند عالم چاہتا رہے بلحاظ قدرت، تو ہر شخص کو اپنی معرفت کرا دیتا اور وہ سب اس کو کامل طور پر پہچان لیتے۔ اور اسی کے دروازے سے اس کی طرف آتے مگر اس نے (بلحاظ حکمت) ہمیں اپنے ابواب۔ اپنا صراط۔ اپنی سبیل اور اپنا وہ باب قرار دیا ہے۔ جس سے اس کی طرف آسکتے ہیں (بغیر اس کے نہیں آسکتے) باسناد صحیح حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے اسی آیت کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آیت اس امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور رجال سے مراد ائمہ آل محمد علیہم السلام ہیں۔ عرض کیا گیا کہ اعراف کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک رستہ ہے جنت و دوزخ کے درمیان۔ پس جس مومن مذنب کی آئمہ شفاعت کریں گے وہ نجات پائے گا۔ اور جس کی شفاعت نہ کریں گے وہ سر کے بھل جہنم میں گرے گا۔ دوسری روایت میں حضرت ہی سے مروی ہے کہ فرمایا ہم وہ رجال ہیں جو ائمہ ہیں۔ ہم دوزخی اور جنتی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے تمہارے قبیلے میں سے کوئی شخص اپنے قبیلے کے نیک و بد کو پہچانتا ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ہی نے فرمایا کہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جن کے حسنات و سنیات برابر ہوں گے۔ اور اعمال میں ان کے کمی ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر خرافہ انہیں دوزخ میں داخل کرے تو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلے۔ اگر انہیں بخیر کرے تو اس کی رحمت ہے۔

روایات سابقہ کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن آخر کی دو روایتیں بظاہر ان روایتوں سے مختلف نظر آتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقتہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ اس قوم کی طرف اشارہ ہے جو اہل اعراف کے ساتھ ہوگی۔ اور وہ عارفین مذہب ہیں۔



اور ان دونوں کو اہل اعراف کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے۔  
 لما روی عنہ علیہ السلام قال اعراف کثبان بین الجنة والنار  
 یوقف علیہا کل نبی وکل خلیفۃ نبی مع المذنبین من اهل النار ما نہ کما تقف  
 صاحب الجیش مع الضعفاء من جنۃ و قد سبق المحسنون الی الجنة  
 فیقول ذلک الخلیفۃ للمذنبین الی اقفین معہ انظر و الی اخوانکم المحسنین  
 قد سبقوا الی الجنة فیسلم علیہم المذنبون و ذلک قولہ تعالیٰ سلام  
 علیکم لم یدخلوها و هم یطعمون ان یدخلہم اللہ ایاہا بشفاعۃ  
 النبی و الایمام و ینظر ہولاء الی النار فیقولون ربنا لا تجعلنا مع القوم  
 الظالمین و ینادی اصحاب الاعراف و ہم الانبیاء و الخلفاء و رجالا من  
 اهل النار و ساء الکفار یقولون لہم مقرعین ما اغنی عنکم  
 جمعکم و استکبارکم ہولاء الذین اقسمت لا ینالہم اللہ برحمۃ اشاہ  
 لہم اهل الجنة الذین کان الرؤساء یدفعونہم و یخفقونہم و  
 یسبیلون علیہم بدیناہم و یقسمون ان اللہ لا یدخلہم الجنة  
 و یقول اصحاب الاعراف ہولاء المستضعفین عن امر من امر اللہ لہم  
 بذلک ادخلوا الجنة لا خوف علیکم و لا انتم تحزنون ای الا خائفین ولا محزونین  
 در و اما الطبری فی تفسیرہ المسمی بالجوامع

حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اعراف ایک مقام مرتفع ہے۔ جنت  
 و نار کے درمیان چپہر ایک نبی اور خلیفہ نبی اپنے زمانہ کے گنہگاروں سمیت کھڑا ہوگا  
 جیسا کہ صاحب شکر اپنے کمزور سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور صاحبان احسان  
 ان مذنبین سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔ اسوقت خلیفہ نبی ان گنہگاروں سے جو  
 اس کے ساتھ ہوں گے کہیں گے کہ اپنے ان صاحبان احسان بھائیوں کو دیکھو جو جنت  
 میں پہنچ گئے یہ گنہگار ان کو سلام کریں گے۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔  
 لم یدخلوها و هم یطعمون یعنی اہل جنت پر سلام بھیجیں گے۔ اور یہ خود ابھی



داخل جنت نہیں ہوئے۔ مگر جنت میں داخل ہونے کی طمع کر رہے ہیں اور وہ طمع یہ ہے کہ خداوند عالم ان کو بھی نبی و امام کی شفاعت سے داخل جنت کر دے۔ اور پھر یہ گنہگار آگ کی طرف دیکھیں گے۔ اور عرض کریں گے کہ خداوند! ہمیں ظالموں کی جماعت کے ساتھ نہ کرنا۔ اور صاحبانِ اعراف (انبیاء و ائمہ) دوزخیوں اور روسا و کفار کو درشتی کے ساتھ نہ لے دیں گے کہ دیکھو تمہاری جماعت دیا جمع مال و زر، اور تمہارے تکبر نے آج تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور اہل جنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن کی نسبت تم تمہیں کھایا کرتے تھے کہ انھیں خدا کی رحمت نہ پہنچے گی۔ یہ روسا و کفر و غلال ان اہل جنت کو دنیا میں حشر جانتے تھے۔ ان لوگوں نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ اور اپنی دنیا پر مغرور ہو کر ان پر دست ستم دراز کرتے تھے۔ اور قسمیں کھاتے تھے کہ خدا انہیں داخل جنت نہ کرے گا۔ اور پھر حکم خدا صاحبانِ اعراف ان گنہگاروں سے جو ان کے ساتھ ہوں گے کہیں گے کہ تم داخل جنت ہو جاؤ۔ اب تیر نہ کوئی خوف ہے نہ حزن و ملال۔ یعنی اب نہ تم خائف ہو گے اور نہ محزون۔ اس حدیث کو علامہ نے اپنی تفسیر جوامع میں روایت کیا ہے۔

الامام ہو قسم الجنۃ والنار۔ تحریر مندرجہ بالا بھی اس فقرہ کے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور قسم النار والجنۃ ایک ایسا فقرہ ہے جو اہل علم کی زبانوں پر ہے مگر ہم مزید توضیح کے لئے اس کے متعلق احادیث نقل کر رہے ہیں۔

سروی الصمد وقار رحمۃ اللہ فی العلل باسناد عن منہنل بن عمر قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام بما صارت علی ابن ابی طالب علیہ السلام قسم الجنۃ والنار قال لان حبہ ایمان وبغضہ کفر وانما خلقت الجنۃ لاهل الایمان وخلقت النار لاهل الکفر فہو علیہ السلام قسم الجنۃ بحدۃ العلة الجنۃ لایدخلها الا اهل محبة والنار لا یدخلها الا اهل بغض قال المفضل یا ابن رسول اللہ فالنار بقیاع والوصیاء



صل كانوا يحبونه واعداءهم يبغضونه قال نعم قلت فكيف ذلك قال  
 اما علمت ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال يوم خيبر لا عطية  
 الراية عند امرجله يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله ما يرجع حتى  
 يفتر الله على يده قلت بلى قال اما علمت ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم  
 له استادني بالطائر المشوي قال اللهم اني باحت خلقك  
 اليك يا كل معي هذا الطائر وعذابه عليا عليه السلام قلت ويلي قال  
 يجوز ان لا يحب انبياء الله ورسوله واوليائهم سرجله يحب الله و  
 رسوله ويحب الله ورسوله فقلت لا قال فهل يجوز ان يكون المؤمنون  
 من اهلهم لا يحبون حبيب الله وحبيب رسوله وانبياءه عليهم السلام  
 قلت لا قال فقد ثبت ان جميع انبياء الله ورسوله وجميع المؤمنين  
 كانوا على ابن ابي طالب محبين وثبت ان المخالفين لهم كانوا جميع  
 اهل محبة مبغضين قلت قال نعم فلا يدخل الجنة الا من احببه من الاولين  
 والآخرين فهو اذن قسم الجنة والنار قال المفضل ابن عمر فقلت له يا ابن  
 رسول الله فرجت عني فرج الله عنك فزدني مما علمك الله فقال سل  
 يا مفضل فقلت يا ابن رسول الله افعلني ابن ابي طالب يدخل محبة الجنة  
 ومبغضة النار او رضوات و مسالك فقال يا مفضل اما علمت  
 ان الله تبارك وتعالى بعث رسوله صلى الله عليه وآله وهو روح الى  
 الانبياء وهم ارواح قيل ان يخلق الخلق بالفي عام قلت بلى قال اما علمت  
 انه دعاهم الى توحيد الله وطاعة واتباع امره ووعدهم الجنة عمل ذلك  
 واوعد من خالف ما احبوا اليه وانكروا النار قلت بلى قال افليس النبي  
 صلى الله عليه وآله ضامنا لما وعد او وعد عن سر به عن وجل قلت بلى قال  
 افليس علي ابن ابي طالب خليفته وامام امته قلت بلى قال افليس رضوان  
 ومالك من جملة الملائكة والمستغفرين لشيعته والتابعين بعدته قلت بلى قال



فعلى ابن ابي طالب اذن قسيم الجنة والنار عن رسول الله وراضوان ومالك  
صاحرا ان عن امره بامر الله تبارك وتعالى يا مفضل خذ هذا اخا من  
مخزونات الله لم يرد مكسوته لا يخرج من الله الى اهله -

صديق علیہ الرحمہ نے اہل الشرائع میں باسما وغیر مفضل بن عمر سے روایت کی ہے  
مفضل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ علی ابن ابی طالبؑ  
کس لئے جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے قرار پائے۔ آپ نے فرمایا کہ انکی محبت لیا  
ہو اور انکی دشمنی کفر اور جنت اہل ایمان کیلئے پیدا ہوئی ہو اور دوزخ اہل کفر کیلئے پس حضرت اس  
سے جنت و دوزخ کے قائم ہیں جنت میں داخل ہونے والے صاحبان محبت اور دوزخ میں نہیں جائیں گے  
مگر ان کے دشمن مفضل نے عرض کیا کہ کیا انبیاء و اوصیاء بھی ان کو دوست رکھتے تھے  
اور دشمنان انبیاء و اوصیاء ان کے دشمن تھے فرمایا ہاں۔ عرض کیا کیونکر؟ فرمایا کیا  
مجھے معلوم نہیں کہ روز خیر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں کون کون سے شخص کو عطا کروں گا  
جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اور رسول اسے دوست رکھتے ہیں وہ بغیر  
فتح حاصل کئے واپس نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں جانتا ہوں۔ فرمایا کیا تو نہیں جانتا  
کہ جس وقت بھنا ہوا پرند حضرت کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ خداوند امیر ہے  
پاس میں شخص کو بھیجے جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ اور میرے ساتھ  
اس پرند کو تناول کرے اور مراد حضرت کی اس کلام سے علیؑ تھے۔ یعنی عرض کیا ہاں فرمایا کیا اب جانتے  
ہو کہ خدا کے انبیاء و رسول اور ان کے اوصیاء اس شخص کو دوست نہ رکھیں جسے خدا اور رسول دوست رکھتے  
ہیں اور وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا یہ امر جائز ہے کہ ان کی  
امت کے مومنین حبیب خدا اور رسول خدا کے دوست نہ ہوں۔ عرض کیا نہیں فرمایا پس  
ثابت ہو گیا کہ تمام انبیاء و رسول اور تمام مومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے محبوب تھے۔ اور یہ  
بھی ثابت ہو گیا کہ مخالفین انبیاء و رسول کے اور اس کے محبوبوں کے دشمن تھے۔ عرض کیا  
ہاں۔ فرمایا پس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اولین و آخرین میں سے مگر وہ شخص جس نے  
علیؑ کو دوست رکھا ہو۔ پس وہ قسیم الجنة والنار ہیں۔ مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا



ابن رسول اللہ آپ نے میرے دل کی گرہ کھول دی خدا آپ کو کائناتیں عطا کر کے - پھر  
 اور بیان فرمائے - فرمایا سوال کر - میں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ علی ابن ابیطالب  
 علیہ السلام اپنے قبول اور دشمنوں کو جنت و دوزخ میں داخل کریں گے - یا رضوان و مالک  
 آپ نے فرمایا اے مفضل کیا تجھے معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے اپنے رسول کو یہ حالت دیا  
 انبیاء پر مبعوث کیا - جب وہ سب عالم ارواح میں تھے - مخلوق کی خلقت سے دو ہزار برس  
 پہلے - میں نے عرض کیا کہ ہاں - فرمایا کہ پھر کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ نے انہیں تو حید خدا  
 اطاعت خدا اور اتباع امر خدا کی طرف دعوت دی - ان سے جنت کا وعدہ کیا - اور جو شخص  
 اس چیز سے جیسے ان انبیاء نے قبول کیا ہے - مخالفت کرے - اور اس کا انکار کرے -  
 تو اس کے لئے دوزخ کا وعدہ ہوا - میں نے عرض کیا کہ ہاں مجھے معلوم ہے - فرمایا کہ اب  
 رسول اللہ کیا اس وعدہ و وعید کے ضامن نہیں ہیں - جو انھوں نے خدا کی طرف کیا ہے  
 عرض کیا کہ بیشک ضامن ہیں - فرمایا کیا علی ابن ابی طالب ان کے خلیفہ اور انکی امت  
 کے امام نہیں ہیں - عرض کیا ضرور ہیں - فرمایا مالک رضوان کروہ ملائکہ میں سے جو شیعہ  
 علی کے لئے استغفار کرنے والے ہیں - نہیں ہیں - عرض کیا کہ ضرور ہیں - فرمایا پس علی  
 ابن ابی طالب رسول اللہ کی طرف سے قسیم الجنتہ والناہ ہیں اور رضوان و مالک بحکم  
 خدا علی کے حکم کے موافق عمل کرنے والے ہیں - اسے مفضل اسے اپنے قلب میں  
 جگہ دے لے - یہ کنز و خزون علم میں سے ہے اور سوائے اس کے جو اس کا اہل  
 ہو اور کسی سے اسے بیان نہ کرنا -

اس حدیث مقدس سے ہمارا مطلب بہت اچھی طرح واضح ہو گیا اس مضمون کی اور  
 بھی احادیث ہیں - آیات قرآنیہ بھی اس پر دال ہیں اور عقل بھی اس کی معقولیت کو تسلیم  
 کرتی ہے - یہ ایک امر واقعی ہے کہ ذات مقدس امام ہمارے عدم سے وجود میں آنے کا  
 سبب ہے - ہماری تربیت روحانی و جسمانی اسی کے متعلق ہے - مخلوقات کا حساب کتاب  
 اسی کے سپرد ہے اور نجات آخرت اسی کی معرفت پر منحصر ہے - مثل اہل بیتی مثل  
 سفینۃ نوح من رہا کعبا نجا ومن تخلف عنہا فرق وھو نے - پس جو



سفینہ اہل بیت میں سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی۔ اور جس نے تخلف کیا وہ غرق ہوا۔  
اور اوندھے منہ جہنم میں داخل ہوا۔

ہر اہل ایمان کو لازم ہے کہ وہ معرفت امام میں ترقی کرے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ  
حجت خدا نظر سے غائب ہے۔ اس کی معرفت میں پوری پوری کوشش کرے۔ اعمال  
صالحہ میں کوشاں ہو۔ اور سمجھ لے کہ ہماری زندگی کا حاصل معرفت امام ہے۔ یہی معرفت  
خداوندی کا رینہ ہے۔ اور بغیر اسکے معرفت خدا کا حاصل ہونا محال۔ فقط  
(والسلام علی من اتبع الهدی)



# جلال العینین فی سیر علی بن الحسین

سید الساجدین امام زین العابدین کی مکمل سوانح عمری

جتنی قومیں اس وقت زندہ رہ کر حقیقی عزت سے بسر کر رہی ہیں اگر غور سے دیکھو تو ان کی حیات کا راز سرسبستہ اس میں مخفی نظر آئے گا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی یاد کو ہر وقت دلوں میں تازہ رکھا اور صرف زبانی دعوؤں کی بناء پر نہیں بلکہ سلف صالحین کے کارنامے اور سوانح عمریاں انھوں نے شائع کر کے دنیا کو شاہ راہ حقیقی کی پکڑ ٹنڈی پر لگایا۔ کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہو کہ وہ فرقہ جو حقانیت کا مدعی اور معصومین کی تاسی کو اپنا شعار قرار دینے والا ظاہر کرتا ہے اس کے جمود و غفلت پر غیر اقوام مضحکہ اڑاتی ہیں کس قدر حیرت اور استعجاب کا موقع ہے کہ جس مظلوم کی پیادہ پائی اور وادی محبت میں کانٹوں پر چل کر تلواروں کے فگار ہو جانے والے واقعات کو سن سن کر آنکھوں سے اشک خونی بہائے جائیں۔ اس بزرگوار کی تاریخ ولادت و وفات تک نہ معلوم ہو۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ان واقعات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے ہزاروں روپیہ صرف کر کے ائمہ علیہم السلام کی سوانح عمریاں زیور طباعت سے آراستہ کر کے ملک و قوم کے سامنے پیش کیں لیکن آج ان کی جلدیں کثیر تعداد میں طاق نسیان کے تذر ہو رہی ہیں اور قوم کی ناقدری اور طلب العیش کی یہ حالت ہے کہ ”طرح دار لونڈی کی خریداری کو باعث نجات اور امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح عمری پڑھنے کو تضييع اوقات سمجھتے ہیں ہر صورت ہم جناب مولانا مولوی السید مظہر حسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی یہ جدید ترجمین تصنیف جو ہر حیثیت سے حضرت سید الساجدین کی مکمل سوانح عمری ہے محبان حسین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لئے چشم براہ ہیں کہ بازار مصطفیٰ میں کون خریدار مرضات الہی کا گراں بہا خلعت زیب جسم کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے

قیمت عید

المنشقر سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی الک مطبع اثنا عشری دہلی

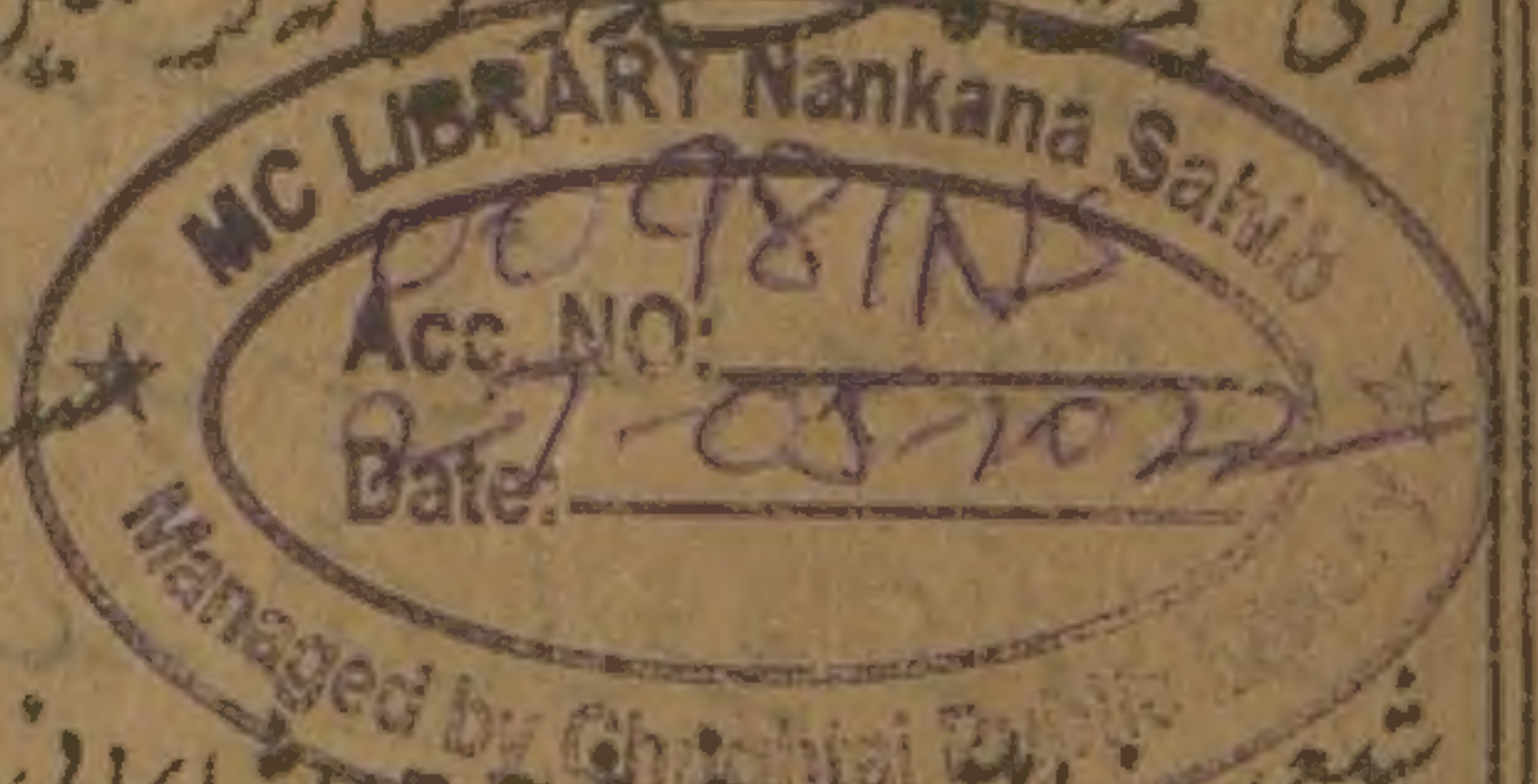


# کشف الحقائق فی احوال امام جعفر صادق

وہ امام جس سے مذہب جعفری کو تقویٰ ہوئی وہ امام جس نے اپنی صداقت کی بنا پر دشمنوں اور مخالفوں سے صادق کا خطاب حاصل کر لیا وہ امام جس کے زمانہ میں لوگ یہ کہنے کے قابل ہوئے  
 صحیح جعفری باش گرجند اخواہی۔

یہ اسی امام ناطق کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری ہے جسے مولانا مولوی السید منظر حسن صاحب قبلہ  
 مصنف تہذیب المتین فی تاریخ امیر المؤمنینؑ نے قید قلم میں لا کر ملک و قوم پر گراں بہا احسان فرمایا ہے  
 یہی وہ سوانح عمری ہے جو ایک مرتبہ پنجاب کے دار الخلافہ لاہور سے شائع ہو کر مؤمنین کے ہاتھ میں  
 پہنچ چکی ہے اور جس نے شیعی دنیا سے کلیتہً خراج تحسین قبول کیا ہے بانی مشاہیر ترمیم اور نیراد  
 رضامین و صحت واقعات کے ساتھ مطبع اثنا عشری دہلی میں طبع ہوئی ہے اور باوجود اعلیٰ  
 درجہ کی کتابت کاغذ کی مسئلہ نفاس اور بے مثل طباعت کے قیمت وہی ہے جو پہلے تھی اور یہ  
 مالی قربانی صرف اس لئے کیجاتی ہے کہ آپ اپنے ششم امام کے حالات پر ہنسنے کے لئے  
 گرانی قیمت پر مشورہ نہ کر سکیں و ساعینا لا البلاغ

## سیرۃ الفاطمہ



شیعی دنیا میں یہ خبر فرحت اثر ایمانی جوش کیساتھ سنی جانیگی کہ لبضۃ الرسول حضرت فاطمہؑ زہرا  
 صلوات اللہ علیہا کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری مطبع اثنا عشری دہلی نے نہایت محنت اور  
 جانفشانی سے طبع کرا کے شائع کی ہے۔ تاریخی واقعات کو بالاستیعاب معر خانہ اور محققانہ حیثیت سے  
 لکھا گیا ہے اور اس طرح سیرۃ المعصومین کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب مستطاب  
 جسطرح مروجہ کیلئے سبق آموز ہے اسلیطرح عورتوں کی پاکباز زندگی کی معین اور مددگار ثابت ہوگی کون بد  
 ہوگا جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی امت اور شیعہ علیؑ ہونیکا دعویٰ کرے اور اس پیش بہا تصنیف سے اپنی ایمان  
 کو تازہ اور اپنی روحانی قوتوں میں اضافہ کرنا پسند نہ کرے قیمت غیر خوش قسمت ہیں نہ افراد جو اس علاقہ کے پڑھتے ہی لبیک  
 کی صدا بلند کریں۔ المشہر سید صغیر حسن شمس ندی الواسطی مالک مطبع اثنا عشری دہلی







# ختم غنیہ

جناب سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ متعلق غدیر اور اثبات خلافت حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ احادیث و قیمت ۱۰ ار

## فضائل مرتضوی کلام

عالی جناب مولانا مولوی مرزا باقر علی صاحب طاب ثرا تالیف ہے۔ اس میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے انبی سچے درج ہیں اس کے علاوہ اور مذاہب و فضائل بھی شامل ہیں ضخامت ۱۰۰ صفحہ کاغذ سفید جتنا قیمت ۱۰ ار

## فضائل مرتضوی نظم و نثر

جناب عظیم شمس صاحب المتخلص بہ صادق میرٹھی کے تالیف روایات کا انتخاب نصیحت امیر المومنین ایک چیدار منتخب گلدستہ کوہ نظم کی بنا کہیں شریانی و کینی اور پڑھنے کے قابل جلد منگوائے ورنہ شاگ میں ختم ہو جائے گی قیمت صرف ۱۰ ار

## آیات جلی فی شان مولانا علی

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے فضائل المشعر بہ جبریل المشعر بہ جبریل المشعر بہ جبریل

و مناقب میں چار سو آیات قرآنی مجید سے تلاشی کی گئی ہیں جن کے متعلق علماء اہل سنت نے بھی اقرار کیا ہے ضخامت ۱۰۰ صفحہ تقطیع ۲۰ x ۲۴ قیمت ۱۰ ار

## تعلیم الاطفال

مسائل ضروریہ مثلاً غسل و تیمم و نماز و روزه علاوہ اور بہت سے فقہی مسئلے سلیس اردو طپائے دراز میں مینیہ آسانی سے یاد کر سکیں قیمت صرف ۱۰ ار

## تجہیر المومنین

یہ رسالہ احکام میت پر مشتمل ہے منہج کون منہج ایسا نہیں ہو ہر شخص کو چھ اپنی موت کا اور ہجر میں اپنے پاس رکھنا

## شمس الصبح

مولوی الشیخ احمد صاحب دیکل دیو انوار اللہ سے اثبات امامت و صائب میں لکھی تھی اس کا جواب جہانگیر اظہار الہدی کے نام سے لکھا اظہار الہدی کا جواب